عصمت چغتائی

سودائی

(ناول)

نیا ادارہ

۱۵ - سرکلر روڈ - لاہور

بار اوّل (پاکستان) ۱۹۶۶ء

ناشر: ریاض احمد چودھری

مطبع: حمایت اسلام پریس لاہور

چندر زینے کی ریلنگ پر سے سر سر پھسلتا ہُوا دہم سے نیچے آن کودا۔ روز کی طرح آج بھی ماسی کا کلیجہ منہ کو آگیا۔

"بدمعاش کہیں کا جو ذرا پیر چوک جاوے تو ہڈی پسلی ایک ہو جاوے!"
وہ سر پیٹ کر کہتیں، مگر چندر کہیں سننے والا تھا۔ وہ روز اسی طرح کچھوے کی طرح پھسلتا ہُوا زینے سے اترا کرتا تھا اور ماسی کا دل یو نہیں لوٹ پوٹ ہو جایا کرتا تھا۔

"ستیاناسے، ایک روز ایسا منہ کے بل گرے گا کہ سارے دانت ٹوٹ کر حلق پر جا پڑیں گے۔ میری تو کوئی بات نا سنے ہے!"

چندر اپنا کھونڈا منہ سکیڑ کر ناک کی پھنگی سے ملا لیتا اور زور فوں کر کے ایک ٹانگ پر کودتا کھانے کی میز پر جھپٹا مارتا۔

ماسی کو ستانے میں اُسے بڑا مزہ آتا تھا۔ ممّو کی بھی مٹی پلید کر رکھی تھی۔ وہ چندر سے سال ڈیڑھ سال چھوٹی تھی مگر سارے گھر میں بس اُسی کو اپنا

سودائی

گرو مانتی تھی۔ اور کرتی بھی کیا! وہ اُس کی ننھی ننھی چوٹیاں پکڑ کر گھسیٹتا، بات بے بات ٹنگڑی لگا کر گرا دیتا، اس کی گڑیلوں کا بھرتا بنا ڈالتا اور جوجی میں آتا حکم دینے لگتا:

"ناک پکڑ کر سات سلام کر۔"

"ایک ٹانگ سے جا اور بھرا گلاس پانی کا لا! ایک بوند بھی گرائی تو بس کٹّی۔"

اور کٹّی کے معنی تھی آتے جاتے دَھول، کبھی کہنی مار دی کبھی ناک دبادی۔ تجربے نے سکھا دیا تھا کہ چندر اس کے بس کا روگ نہیں۔ وہ صرف بڑے بھیّا سے ڈرتا ہے۔ انہیں دنیا کا سب سے مہان، سب سے پیارا اور سب سے زیادہ بدھی وان سمجھتا ہے۔ بڑے بھیّا ہیں بھی اس سے پورے پندرہ برس بڑے۔ وہ اتنے بلند، اتنے دیالو اور اتنے نیک چلن تھے کہ بس! جبھی تو ان کا نام سورج تھا۔ اور چاند پر جب سورج کی چمک پڑتی ہے تب ہی تو چمکتا ہے۔ اگر سوریہ دیوتا روٹھ جائیں تو چندر ما کا منہ کالا بھٹ پڑ جائے۔

تبھی تو ماسی روز صبح شام سورج کی آرتی اتارتی ہے کیونکہ وہ دیوتا سمان ہے۔ اور چندر کو بھوت کہتی ہے۔ سورج نے آج تک کسی کو نہ مارا نہ ستایا نہ جھوٹ بولا نہ چوری کی نہ گلی کے لونڈوں کے ساتھ گلی ڈنڈا اور کبڈی کھیلی۔

اس کی ماں جانتی تھی کہ آس پاس کوئی لونڈا ابھی سورج کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کے لایق نہیں۔ اس کے ساتھی انسان نہیں کہانیوں قصّوں میں بسنے والے راج کمار اور سادھو سنت تھے۔

ماسی ہر وقت اس کی تعریفوں کے گن گایا کرتی تھی۔ لوگوں کا خیال تھا وہ اپنی بیٹی اوشا سے سورج کا بیاہ کرنے کا فیصلہ کر چکی ہے اس لیے اسے بہترین داماد بنانے میں جٹی رہتی ہے۔ ماسی نے اُسے ایسا تعریفیں کر کے چڑھا دیا تھا کہ کبھی کوئی شرارت کرنے کو من بھی چاہتا تو وہ ڈر جاتا کہ کہیں اس کی ساکھ نہ ختم ہو جائے اور وہ بھی معمولی انسان سمجھا جانے لگے تب لوگ اس کی اتنی چرچا نہیں کریں گے، ماسی آرتی نہیں اتارے گی، چندر اور رمّو اس کے ڈر سے لڑنا چھوڑ دیں گے۔ پھر دنیا میں اس کے لیے کیا رہ جائے گا! عزت ہی تو ایک چیز ہے جو اُسے اتنی سی عمر میں اتنی بہت سی ملی ہوئی ہے۔ وہ اپنے خزانے پر ڈاکا نہیں پڑنے دے گا۔ مرتے وقت ماتا جی نے چندر اور رمّو کا ہاتھ پکڑا کر کہا تھا:

"بیٹا اب تم ہی ان کے مائی باپ ہو۔ کوئی ایسی نیچ بات نہ کرنا جو یہ بُرا سبق پاکر آوارہ ہو جائیں۔ اگر خاندان کی عزت پر آنچ آئی تو میری آتما کو چین نہ آئے گا۔"

پتا جی سال بھر پہلے ہی پرلوک سدھار چکے تھے۔ انہوں نے دنیا کے

بنائے اصولوں کو ٹھکرایا اور ایک نیچ عورت کے چکر میں پڑ کر ہلکان ہوئے۔ پھر اسی سے جھگڑا ہونے کے بعد شراب میں دھت ہو گئے اور موٹر کے ایکسیڈنٹ میں ختم ہو گئے۔

ماسی ماں جی کی بڑی پیاری سہیلی تھیں۔ ان کے پتی نے بھی انہیں چھوڑ رکھا تھا اور دو دکھی عورتیں ہر وقت سورج کے کانوں میں نیک چلنی کا سندیس انڈیلا کرتی تھیں۔

ماسی کا خیال تھا سورج کے پتا، تربھون ناتھ جی، کی اچھی طرح دیکھ ریکھ نہیں ہوئی۔ ادھر ان کے ماں باپ نے ڈھیل دی ادھر پتنی بے دم نکل گئی اور کبھی پکّی طرح ان کی روک تھام نہ کر سکی، تب ہی وہ جوانی میں بے موت مرے۔ سورج پندرہ برس اکلوتا لاڈلا بیٹا رہا اور پتی کی بے توجہی سے ڈر کر ماں نے بیٹے پر ہی پنجے گاڑ دیے۔ پھر کچھ نصیب پھرے اور دو بچے اور ہوئے مگر سورج جیسا پیار کسی کو نہ ملا۔ چندر اور پمّو کو نوکروں نے پالا۔

بری راہ سے روکنے کے لیے صرف بھاشن جھاڑنے کو کافی نہ سمجھا گیا اور ماں نے اوشا رانی سے اس کی نسبت کر دی۔ اور ماسی کے ساتھ مل کر وہ اوشا اور سورج کا میل بھاگوان بنانے پر جٹ گئیں مگر شادی کرنے سے پہلے ہی موت نے آلیا اور وہ چل بسیں۔

سودائی

ماں مری تو پتو ڈیڑھ برس کی تھی، چندر تین کا، اور سورج کا اٹھارواں سال ختم ہو چکا تھا۔ اتنی سی عمر میں ایسی بھاری ذمہ داری سر پر آن پڑی، تو وقت سے پہلے ہی سورج بوڑھا ہونا شروع ہو گیا۔ شریر تو کبھی نہ تھا، اب تو بالکل ہی سادھو بن گیا۔ اسکول کالج میں بڑے لڑکوں کی صحبت کے ڈر سے اُسے گھر پر ہی ٹیوٹر رکھ کر تعلیم دلوائی گئی تھی۔ ماں کو مرے تین سال بیت چکے تھے مگر کوئی دن ایسا نہیں جاتا تھا جب ماسی آنسو بہا کر اس کی موت کا نقشہ نہ کھینچتی ہو۔ دن میں کئی بار وہ ماں کے قول دہراتی تھی۔ چندر اور پتو تو ماں کو بھول سے گئے تھے مگر سورج پر ماں اور ماں کے بعد ماسی کا بہت دباؤ تھا۔

سورج کے ساتھ وہ اُوشا پر بھی بڑی سخت نگرانی رکھتی۔ اُسے ایک دن گھر کی ملکہ بننا تھا، اُسے سورج کی یوگیہ بننا تھا۔ وہ اُسے ہر وقت پڑھنے لکھنے اور کشیدہ کاری کے کام پر جٹائے رکھتی۔ دودھ کا جلا چھاج پھونک پھونک کر پیتا ہے! یہ مرد کی ذات بندر جیسی ہوتی ہے، کتنا بھی پڑھاؤ سدھاؤ، موقع ملے گا تو چٹ پیڑ پر چڑھ جائے گا۔ اور اُوشا کو وہ ایسے گُر سکھانا چاہتی تھی کہ اس کا پتی پیڑ پر نہ چڑھ سکے، ناک کی سیدھ میں سیدھے راستے پر چلتا رہے۔ اوشا ماں کے مقابلے میں نری گائے تھی، جدھر ماں ہنکاتی ہنک جاتی۔

ماسی حرام خور نہیں تھی۔ اس نے اپنی سہیلی کے پیار کو بڑے دل سے

سودائی

نبھایا۔ بیماری میں ایسی سیوا کی کہ سگی بہن کیا کرتی۔ سیاہ سفید کی مالک ہو کر بھی کبھی
کچھ اٹھا بچا کر اپنے تن کو نہ لگایا۔ ہمیشہ گھر میں چار نوکروں کے برابر کام کیا۔ ویسے
بینک اور جائیداد وکیل سیتا رام جی کے ہاتھ میں تھی۔ سیتا رام جی بڑے
دوست نواز، بھلے مانس برہمچاری تھے۔ ان تین بچوں کو اپنا سمجھ کر دیکھ بھال
کرتے تھے۔ مگر سارا زیور کپڑا اتو ماسی کے ہاتھ میں تھا۔ مرنے والی نے اپنے
ہاتھ سے جو زیور دے دیا تھا اس کے علاوہ انہوں نے کبھی ایک تار بھی
نہ چھُوا۔ اور ضرورت بھی کیا تھی! سارا زیور ماں سورج کی دلہن کے لیے
دے گئی تھی۔ چندر اور پموّ جب بڑے ہوں گے تب دیکھا جائے گا۔ سورج
سب دیکھ ریکھ کرے گا۔ سورج کی دلہن سوائے اوشا کے اور کون تھی۔ پھر
کیا ضرورت تھی ماسی کو کسی چیز کی! سب کچھ ہی تو اوشا کے لیے تھا۔ چھوٹی
سی عمر سے ہی اوشا نے سورج کو اپنے من مندر کا دیوتا مان لیا تھا۔ بارہ تیرہ
برس کی عمر سے وہ باشعور بیوی کی طرح ہر بات کا خیال رکھتی۔ بغیر ماسی کے ٹوکے
وہ ان کے لیے پانی گرم کرواکر حمام میں لگواتی، ان کے کپڑے نکال کر سجاتی، کھانے کے
وقت ان کی تھالی میں مزے دار لقمے پروستی، بنا مانگے اُسے پتہ چل جاتا کہ انھیں نمک
چاہیے، پانی چاہیے یا ہری ہری مرچ کو دل ہو رہا ہے۔ وہ ان کے لیے
چکن کے کرتے کاڑھتی، نئی نئی وضع کے سویٹر بنتی اور رومال پہ گلدستے
کاڑھتی۔ گھر اسی کا تو تھا نا۔ ذرا سی کوئی چیز ٹوٹ جاتی یا اِدھر کی اُدھر ہو

جاتی تو وہ گھر ستنوں کی طرح نوکروں سے جھگڑا کرتی۔

سورج اس کی سیوا کے عادی ہو چکے تھے اور اُسے اپنا حق سمجھ کر سوئیکار کر لیا کرتے تھے۔ مگر عام نوجوانوں کی طرح انہوں نے نہ کبھی اوشا سے چھیڑ خانی کی اور نہ میٹھی آنکھ بھر کر دیکھا۔

"اُسے لونڈھیار پن پسند نہیں۔ کوئی وہ لفنگا ہے؟ اور نہ میری بیٹی حرافہ ہے۔"

کبھی کوئی سورج کی بے توجہی کی طرف اشارہ کرتا تو وہ فوراً سمجھا دیتیں: "سورج اپنی ماں پہ گیا ہے۔"

مگر چندر سمو چاباپ پہ گیا تھا: بے چین، بے قرار اور خود سر۔ اس کا انجام بد ہو پر ہو۔ نہ بھی پیدا ہوتے تو ستونتی کی کوکھ تھوڑی جل جاتی۔ سو اولادوں کی ایک اولاد سورج موجود تھا۔ وقت آنے پر سب کچھ ہو رہے گا۔ ماسی کو اپنے سگھڑاپے پر پکا بھروسا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ موقعے اور ضرورت کو دیکھ وہ اوشا کو مرد پھانسنے کا گر بھی سکھا دیں گی۔ ویسے انہوں نے کیا کسر اٹھا رکھی تھی ہر وقت لیکچر پلایا کرتیں:

"بیٹی سیوا سے تو بھگوان بھی من جاتے ہیں، سورج تو پھر منش ہے۔"

خود ماسی نے اپنے میاں کی سیوا جی جان سے کبھی نہ کی۔ وہ نگوڑا اس کا جوگ تھا بھی نہیں۔ اگر وہ کلرک کے بجائے کوئی تھانے دار یا ڈپٹی ہوتا

تو مجال تھی وہ اُن کے چنگل سے نکل جاتا ؛ ایسی سیوا کرتیں کہ ستی ساوتری کو طاق میں بٹھا دیتیں۔

مگر سورج تو اس قابل تھا نہ اوشا کی خوش نصیبی تھی جو اس سبھیا پتی ملنے والا تھا۔ تبھی تو ماسی کے پروگرام کے مطابق اس کے پاس ہر وقت اوشا ہی اوشا نظر آتی تھی ؛ جسے دیکھے گا انسان اسی کو تو پوچھے گا !

چندر حسبِ معمول چھلانگیں مارتا، فرنیچر پر سے کودتا سیدھا ناشتے کی میز پر جا ڈٹا۔

”ہائیں ہائیں۔۔۔ چندر !“ ماسی چلائی۔

”کیا ہے ماسی ؟“

”کہاں بیٹھا ہے رے ؟“

”کرسی پر ماسی !“

”کس کی کرسی پر بیٹھا ہے رے !“

”اوہ ! بڑے بھیا کی کرسی پہ !!“ جھٹ سے وہ کرسی چھوڑ دوسری کرسی پر بیٹھ گیا، جیسے اس نے مندر میں کسی دیوتا کا آسن گندہ کر دیا ہو ا

ماسی نے ادب سے زینے کی اُور دیکھا، جدھر سے سوریہ دیوتا پدھارنے والے تھے۔

”ہائیں چندر۔۔۔“ ماسی نے اسے پھلوں کی طرف ہاتھ بڑھاتے دیکھ

کر ہانک لگائی۔

"بڑے سرکار کو تو آ لینے دے نگوڑے! کیسا ندیدہ ہے، رام رام!"

با ادب، با ملاحظہ، ہوشیار!

جہاں پناہ تشریف لاتے ہیں۔

فضا ان کے رعب سے لرز اٹھی۔ آنکھ کا اشارہ پاتے ہی اوشا لپک کر نچلی سیڑھی کے قریب سر پہ اوڑھنی ڈال کر کٹھ پتلی کی طرح جا کھڑی ہوئی۔ زینے کے موڑ سے پہلے دھیرے دھیرے قدموں کی چاپ پڑ ہاری، پھر جیسے پچھم کی سیما سے سورج دیوتا نے سر اٹھایا:

بڑی بڑی تپسویوں جیسی گمبھیر آنکھیں؛ گھنے بال جن کی ایک نپی تلی لٹ ماتھے پر لرزتی ہوئی؛ ستواں کھڑی ناک؛ جھاگ سی سفید دھوتی؛ بھاری ریشم کا ڈھیلا کرتا؛ کاندھوں پر بھونسلے رنگ کے پشمینے کی شال سنبھالے پل بھر کو زینے کی چوٹی پر جگمگائے۔ یہ لباس انہوں نے بنگالیوں سے پہننا سیکھا تھا۔

پھر قدم تولتے، ٹپ ٹپ کرتے وہ نیچے اترنے لگے۔

"نمسکار!" اوشا کی نازک سی آواز سرسرائی۔

"نمسکار!" انہوں نے دور ہوا میں دیکھتے ہوئے دونوں ہاتھ جوڑ کر ماتھے پر گری ہوئی لٹ کو چھو لیا۔

سودائی

"جیو میرے لال! ہزاری عمر ہو دے۔" ماسی نے چٹ چٹ بلائیں لینا چاہیں مگر وہ کاوا کاٹ کر بچ گئے تاکہ ماسی اُن کے ماتھے کی لٹ نہ بگاڑ دیں جو انہوں نے بڑی دیر تک آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر سجائی تھی، جو بالکل ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے لاپرواہی کی وجہ سے آن پڑی ہو۔

اور ماسی روز اس مشکل سے جمائی ہوئی لٹ کر سنوارنے کی دھمکی دیا کرتی تھی جس پر انہیں غصہ آنے لگتا تھا مگر ضبط کر جاتے تھے کہ دیوتا غصہ نہیں کیا کرتے۔

چندر کا بھوک کے مارے حال پتلا ہو رہا تھا، جیسے ہی بڑے سرکار بیٹھے وہ کھانے پر ٹوٹ پڑا۔

تب چڑیا کی طرح پھدکتی ہوئی پمّو آئی اور آتے ہی چندر کا منہ چڑایا اور دھم سے بیٹھ گئی۔

"پمّو رانی"

"جی؟"

"آج تو نے کیا نہیں کیا؟"

"ہا... آ... ں..."

"اچھا تو پہلے نمسکار کر" ماسی حکم دیتی اور پمّو نے نمسکار کر کے چندر کی نقل میں بھکسنا شروع کر دیا۔

ماسی نے جھٹ سے لڈوؤں کی پلیٹ اٹھا کر سورج کے آگے رکھ دی۔
"پہلے بڑے بھیا کو لینے دے۔ بٹیا میں ابھی تازی پوری تل کر لاتی ہوں،
ان نوکروں کا کچھ بھروسہ نہیں، کچی پکی بنا ڈالیں گے۔ روز تو اوشا بناتی ہیں۔
لو بیٹی تم بڑے سرکار کے لیے انار چھیلو۔"
ہونے والے رشتے کا حساب لگا کر وہ اوشا کو بڑے بھیا نہیں کہنے
دیتی تھیں۔
"مگر آپ کیوں تکلیف کرتی ہیں، کیا سارے نوکر مر گئے ہیں؟"
"ارے واہ بیٹا، اس میں تکلیف کیسی! ہائے، تم میرا کتنا خیال رکھتے
ہو! میرے لال، ستی ساوتری تمہاری ماں نے جو سہارا نہ دیا ہوتا تو
ہمارا کیا بنتا؟" ماسی فوراً بسور کر رونے لگیں۔ انہیں روتا دیکھ کر چندر
اور پموّ کو بے حد خوشی ہوتی تھی، دونوں کھوں کھوں ہنسنے لگے۔
"اے لو بیٹے یہ نارنگیاں۔" چندر کو نارنگیوں کی طرف ہاتھ بڑھاتے
دیکھ کر ایک دم انہوں نے آنسوؤں کا نل بند کر دیا اور مسکرانے لگیں۔
"نہیں، رات کو ڈھوں ڈھوں کھانسے گا۔" انہوں نے چندر کا ہاتھ جھٹک
دیا۔ روتے روتے جب وہ یوں ایک دم بریک لگا کر گیئر بدلتیں تو بڑے
سرکار کی ناک بھی پھڑکنے لگتی اور وہ ہنسی چھپانے کے لیے فوراً رومال
سے ناک دبوچ لیتے۔ وہ بھلا کیسے ہنس سکتے تھے!

ماسی پوریاں لینے گئی، اُدھر شاید تو کے جرتے کی گھنڈیاں ٹھیک کر رہی تھی اور چندر میز کے نیچے جھکا ہوا ٹامی کو بسکٹ کھلا رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے میدان خالی تھا۔ سامنے تازہ لڈو مہک مار رہے تھے۔ بڑے سرکار کے من میں چھپا ہوا شریر بچہ ایک دم ہمکا اور غڑاپ سے لڈو منہ میں۔ ماسی کے پیروں کی چاپ سن کر ان کی سمجھ میں نہ آیا ہاتھ کے لڈو کو کیا کریں۔ نہ منہ تک لے جانے کا موقع تھا نہ واپس پلیٹ میں پہنچ سکتا تھا، مجبوراً کُرتے کی جیب میں سٹکا لیا۔

"ہائیں... چندر!" ایک دم لڈو غائب دیکھ کر ماسی نے چھاتی کوٹ لی، "کیوں رے پاجی! ڈاکٹر نے مٹھائی کھانے کو منع کیا ہے اور تو ایک دم دو لڈو کھا گیا؟"

"ہم نے نہیں کھائے لڈو۔" چندر منمنایا۔

"اور اوپر سے جھوٹ بولتا ہے بے ایمان۔ دکھا ہاتھ۔"

"چندر نے دونوں ہاتھ ماسی کی ناک کے پاس کر دیے۔ وہ بدک کر دور ہٹ گئیں۔

"منہ کھول۔"

چندر نے منہ کھولا، غور سے لڈوؤں کے نشانات ڈھونڈنے کے بعد فیصلہ کیا کہ "سمو چے ہی نگل گیا، چور۔" انہوں نے اس کے کان پکڑ لیے۔

"بس بس ماسی، غلطی ہوئی، معاف کر دیجیے۔ اب ایسا نہیں کرے گا۔" بڑے سرکار بولے۔

"بے کار ہمارا نام لے رہی ہے ماسی۔ ہم نے لڈو چھوئے بھی نہیں۔"

"تو پھر منّو نے کھائے ہوں گے۔" بڑے سرکار نے منّو کو گھورا۔

"نہیں بڑے بھیّا، ہم نے تو کھائے بھی نہیں۔ اوشا دیدی سے پوچھ لیجیے۔"

"یقیناً اوشا رانی نے تو نہیں کھائے۔ تو پھر کہاں گئے لڈو؟" بڑے سرکار نے بڑی بڑی سیاہ آنکھوں سے چندر کو گھورا تو اس نے سہم کر نظریں نیچی کر لیں۔

"یہ دیکھو بغلیں جھانکنے لگا لنگوڑا۔ چھی چھی۔ کتنا گندہ بچہ ہے — لو بیٹا تم تو کھاؤ۔"

ماسی نے لڈو سورج کی طرف بڑھائے۔

"نہیں ماسی، آپ جانتی ہیں مجھے مٹھائی پسند نہیں۔" بڑے سرکار نے جیب میں پڑے ہوئے لڈو کو پیار سے سہلا کر کہا، "چندر آئندہ تم نے ایسی نیچ حرکت کی تو... اچھا نہ ہوگا۔"

ناشتہ کرتے ہی منّو اور چندر میں اشاروں ہی اشاروں میں باتیں ہوئیں اور دونوں کھسک لیے۔ ماسی اور اوشا نے گھر کے حساب کتاب کی فہرست نکال لی۔

"پودینہ تین آنے... دو کا چھ آنے... توری..."

ماسی اپنی ایمانداری کی ساکھ بٹھانے کے لیے دانے دانے کا حساب دیا کرتی تھی تاکہ بڑے سرکار قائل ہو جائیں کہ ہونے والا رشتہ کتنا منافع بخش ہوگا۔ بڑے سرکار کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ ان کا منہ نوچ لیں۔

"ادرک ڈیڑھ پاؤ... گرم مصالحہ..."

"اوہ... بڑے سرکار نے بڑے ڈرامائی انداز میں اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ ماسی اچک پڑی۔

"اے ہے کیا ہوا بیٹے"

"درد... سر میں درد..."

"اری اوشا، کیا بگلوں کی طرح کھڑی منہ تک رہی ہے منشی جی سے کہہ کر

"نہیں، ماسٹر صاحب کو نہ بلائیے... میری دراز میں گولیوں کی شیشی ہے۔"

"اری جا... بھول جلی" انہوں نے اوشا کو دھکا دیا اور خود آنچل سے ہوا کرنے لگی۔

"پا... پانی" بڑے سرکار نے سر پٹخ کر کہا۔ ماسی پانی لینے بھاگی انہوں نے اطمینان سے لفافہ جیب سے نکالا، زیادہ نظر جھاڑی اور گپ

سودائی

"اور کیا، سچی تو کہہ رہا ہوں۔ اگر چھنگلیا سے بالشت بھر اگہرا کھودو تو زمین سے بونا نکلے گا" چندر نے بڑ ہانکی۔

"ہائے رام! چھٹ بھیّا کیا پھر وہ میرے سنگ کھیلا کرے گا؟"

پمّو دِیے جبی اپنی ننھی سی چھنگلیا سے مٹی کھود رہی تھی، مگر زمین ایک انچ بھی نہیں کھدی تھی کہ ناخون میں مٹی بھر کر ٹیسیں اٹھنے لگیں۔

"چھٹ بھیاجی۔"

"کیا؟"

"تم نے کبھی پری دیکھی ہے؟"

"بہت دفعہ!"

"چل جھوٹے لپاڑ!"

"سچی ... تیری قسم!"

"تو ہمیں بھی دکھاؤ نا۔"

"تو بدھو ہے، تجھے پری نہیں دکھائی پڑے گی"

"کیوں؟"

"بس کہہ دیا ہم نے"

"چھٹ بھیّا"

"کیا ہے"

"انگلی دُکھ رہی ہے"

"کہا تھا تجھ سے نہیں کھودی جائے گی زمین"

"ہنک! بھیّاجی پری"

"اچھا... وہ دیکھ"

"کہاں ؟" پتو ڈر کر پاس گھس آئی۔

"وہ... دو... ہ... انار کی ڈالی پر... ہے نا ؟"

"اوں... وہ تو فاختہ ہے..."

"فاختہ نہیں بدھو، فاختہ - اصل میں یہ پری ہے"

"پری ؟ ہنہ، تجھے کیسے معلوم ؟"

"بس ہمیں معلوم ہے - بس کہہ جو دیا کہ یہ پری ہے - چپکی بیٹھی رہو. ابھی دیکھنا لوٹ پوٹ کر پری بن جائے گی"

مگر بدقسمتی سے اسی وقت پتو کو چھینک آنا رہ گئی تھی، پھُر سے

تماشا بن گئی۔

"دیکھا، گئی ہیا کہیں کی۔ چیل، ادھر سے کے چھینک ماردی۔ ابھی سامنے آجاتا تو تیر سے اوپر انچھ مار کر چوہا بنا دیتی۔"

"پری ہے؟"

"ہاں۔"

"غصے میں چوہا بنا دیتی ہے؟"

"اور نہیں تو۔"

"چھٹ بھیا!"

"ہاں۔"

"گھر چلو نا ہمیں ڈر لگ رہا ہے۔" پمو بسوری۔ "ہم نہیں دیکھتے پریاں۔"

"ہاں ہاں منہ بڑے آئے پریاں دکھانے والے۔ بھوندو۔"

گُر چندر جی حیرت سے منہ پھاڑے پیڑ کے پاس پتوں کے ڈھیر کو گھور رہے تھے، ایک ننھا سا گلابی ہاتھ پتوں کے بیچ میں پڑا تھا۔

"ہاتھ!" چندر جی ایک دم سرپٹ بھاگے مگر پمو ٹھوکر کھا کر گر پڑی اور گلا پھاڑ پھاڑ کر چلانے لگی۔ پنو کو سہارا دے کر کچھ ڈر کم ہوا، ایک تتلی ہاتھ کو پھول سمجھ کر اس پر آن بیٹھی۔

"دیکھو پمو۔" چندر نے پمو کو چمٹا کر کہا۔

"تاگا ہے؟ کون ڈال گیا یہاں؟"

"ضرور کوئی پری جھولے سے چھوڑ گئی ہوگی۔" چندر نے رائے دی۔

"کہاں ہے پری؟"

"اُڑ تو گئی۔"

"یہ ہاتھ نہیں گرا گئی؟"

"جاتے پر تاگا جھولے سے رہ گیا۔ اسے اٹھا لے منّو۔"

"نا چھٹ بھیا، گھر چلو۔" منّو کی گھگھی بندھ گئی۔

"ارے ڈرتی کاہے کو ہے منّو؟ اٹھیو، ذرا دیکھیں تو۔"

چندر نے ایک تنکا لے کر ڈرتے ڈرتے ہاتھ کو چھوا۔ ایک ننھی سی انگلی ہلی اور ایک مرغابی قاں قاں کرتی جھیل سے اڑی۔ دونوں ڈر کر بھاگے مگر چندر مردانہ وار رک کر پیچھے واپس لوٹا۔ لکڑی سے پتے ہٹائے تو مٹی میں سنے بھورے بھورے بال اور ایک سفید مکھڑا بھی دکھائی پڑا۔ دو بڑی بڑی سہمی ہوئی آنکھیں کھل پڑیں۔ ننھے ننھے ہونٹ لرزے اور چیتھڑوں میں لپٹی ہوئی ڈیڑھ سال کی بچی پٹ سے جھاڑ کر اٹھ بیٹھی۔ دونوں بچوں کی سٹی گم ہو گئی۔

"تم پری ہو نا؟" چندر نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔

بچی نے ہاں میں سر ہلا دیا۔

"دیکھا؟" چندر نے اکڑ کر منّو کو جتایا۔

شاید قبضے میں کیا۔

سودائی

"تمھارے پر کہاں ہیں پری؟" ممو کی بھی ہمت بڑھ گئی۔

بچی ڈری ہوئی آنکھیں پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ کر بسورنے لگی۔

"بدھو کہیں کی! رلا دیا بیچاری کو۔ ٹافی کھاؤ گی پری؟"

بچی نے سر ہلا دیا۔

"ہائے بیچاری بھوکی ہے۔" ممو کی آنکھیں چھلک اٹھیں۔ "اس کے پر تو ہیں ہی نہیں، اب کیسے اڑے گی چھیٹ بھیا؟"

"تم رو نہیں پری۔ بیچاری کے پر کھو گئے ہیں، دوسرے نکل آئیں گے۔"

"رو مت پری۔"

"اب کیا کریں؟"

"چلو اسے گھر لے چلیں۔ اے پری، ہمارے گھر چلو گی؟"

بچی نے سر ہلا دیا جب دونوں بچی کو لادے گھر پہنچے تو راحی کہارن کی تو چیخیں نکل گئیں:

"ہئی ہے۔ ماسی جی، چھوٹے بھیا کہیں سے لونڈیا اٹھا لائے۔"

"لونڈیا؟ اے چل دیوانی کسی گوالے کی چھوکری ہوگی، پہنچواؤ موئی کو۔"

"اجی دے نا پھینکنے دیں، عادی ہیں دونوں کے دونوں"

کون دونوں؟"

ہاتھ کو چھوڑ

"دیکھو ممو بھیا، ان کے سنگ ممو بٹیا ہی لگ گئی ہیں۔"

"چل، میں دیکھتی ہوں، اس لونڈے نے تو ناک میں دم کر رکھا ہے کہ کبھی کتّا کبھی بلّی کبھی گلہری اٹھائے لیے چلا آتا ہے۔ پر آج تو کسی کی لونڈیا اٹھا لایا، ملیچھ کہیں کا۔ ارے او چندر نگوڑے، کیا اٹھا لایا رے۔"

"پری ماسی" چندر نے اعلان کیا۔

"ہاں ماسی، بیچاری کے پر کھو گئے ہیں" پمّو نے طرفداری کی۔

کیوں رے یہ گھر ہے کہ گھورا کہ جو کوڑا کرکٹ ملا سو گھر میں ——

اے منشی جی اسے پھینکواؤ مردی کو، سارا کرسیوں کا ناس مار دیا۔

"چل بے ساکھی کے بچے اٹھا اپنی نانی کو" منشی جی نے مہتر کو حکم دیا۔

"آں ہم ماریں گے بیساکھی تجھے" چندر نے ہاکی اسٹک تانی۔

"کیا بات ہے؟" بڑے سرکار نے زینے پر سے ناک بھوں چڑھا کر کہا۔

"دیکھو تو بٹیا نہ جانے کس کی لونڈیا اٹھا لایا ہے۔"

"واہ ہم نے تو پڑی پائی ہے۔ پمّو سے پوچھ لیجیے۔"

"ہاں بڑے بھیّا، بیچاری کے پر کھو گئے ہیں۔"

"پر؟"

"ہاں بھیّا جی پر۔ یہ پری ہے نا پتّوں میں سو رہی تھی۔"

"اچھا بس ہو چکا کھیل، چلو اسے پھنکواؤ۔"

"نہیں ہم پالیں گے اسے" چندر نے بچی کو سمیٹ کر قبضے میں کیا۔

ذرا سی بچی نہ جانے کیا سمجھ کر اس کے سینے سے بندر کے بچے کی طرح چپک گئی۔

"اے ہے، بڑا آیا پالن ہار۔ دیکھتی ہوں تو اس بلا کو کیسے پالتا ہے!"

ماسی نے بچی کا بازو پکڑ کر کھینچا اور اسے گندے چیتھڑے کی طرح اٹھا کر چلیں باہر پھینکنے۔

جانو چھوٹا موٹا طوفان ماسی کی جان پر ٹوٹ پڑا۔ پمتو اور چندر ساں سے چمٹ گئے، دانتوں اور ناخونوں سے ساڑی تار تار کر ڈالی۔ پمتو نے جو زور سے دھکا دیا تو ماسی چاروں خانے چت۔ دونوں ان کی چھاتی پر چڑھ بیٹھے اور پست کر دیا۔ بچی یہ چہلیں دیکھ کھلکھلا کر ہنسی اور تالیاں بجانے لگی۔

بڑے سرکار کو اتنے زور سے ہنسی آئی کہ ان کی ساری بڑائی ناک میں ملتے ملتے بچی۔ انھوں نے بڑے ضبط سے کہا:

"رہنے دیجئے ماسی! پولیس چوکی خبر کروا دیجیے، وہ آکر لے جائیں گے۔"

مگر بچے غل مچانے لگے، سورج کے پیروں سے لپٹ کر رونا شروع کر دیا۔ ماسی نے دانت پیس کر کہا کہ "دیکھوں گی چندر رتھا تے دار صاحب کو کیسے روکتا ہے!"

"ہم پولیس کو بھی ماریں گے" چندر نے ہاکی اسٹک نچائی۔ وہ سورما
بنا پری کی حفاظت پر ڈٹا رہا۔

"ہتھکڑیاں پڑ جاویں گی للاجی۔"

"ہم توڑ ڈالیں گے ہتھکڑیاں۔"

"مگر پولیس نے اگر تفتیش کی تو پتہ چلا آس پاس کے کسی گاؤں والے
کی بچی نہیں ہے، نہ جانے کون پھینک گیا ہے۔"

"حرام کی ہوگی،" ماسی نے فیصلہ کیا۔ "اناتھ آشرم میں بھجوا دو۔"

"جب تک اس کا کوئی وارث نہیں ملتا اسے یہیں رہنے دیجیے۔
بچوں کا جی بھر جائے گا تو بھجوا دیں گے۔" بڑے سرکار نے فیصلہ کیا۔

مگر بچی واقعی پری زاد تھی۔ اس کا کوئی وارث اس کی تلاش میں نہ
آیا اور وہ وہیں رہنے لگی۔ اوشارانی کے گڑیاں کھیلنے کے دن ابھی باقی
تھے، انھوں نے پرانے کپڑے کاٹ کر جھمجھماتے ہوئے لباس تیار کیے۔
کچھ دن تو رسوئی کے پاس والی کوٹھڑی میں رامی کہارن کے ساتھ رہی
پھر بچوں کے کمرے میں زمین پہ سونے لگی۔ دیدی کی خوشامدیں کر کے
اس کے نئے کپڑے بھی بنوا لیے۔ کبھی ماسی ایک دم بغاوت پہ ڈٹ
جاتیں کہ "نہ جانے موئی جھنگی کی ہے کہ چمار کی، سنگ میز پر بیٹھ کر کھاتی
ہے۔" مگر اسے چندر اور ریتو کے ساتھ ساتھ اوشارانی کی محبت بھی حاصل

تھی۔ اس لیے بچوں کی ضد پوری ہوتی رہی۔ سورج کو کوئی شکایت نہ تھی۔ بچی ان کی صورت سے لرزتی تھی، دیکھتے ہی بھاگ کر کسی کونے میں چھپ جاتی، چندر یا مٹو کی آڑ میں ہو جاتی یا اوشا کے آنچل میں منہ چھپا لیتی، روتی ہوتی تو ایک دم سانس روک لیتی، ہنستی ہوتی تو منہ پر ہاتھ رکھ کر چپ ہو جاتی۔ بڑے سرکار اپنے رعب کا اس پر یوں سکہ بیٹھتے دیکھتے تو اور پھول جاتے۔

اوشا اسے بندریا کی طرح پیارے پیارے کپڑوں میں سجاتی۔ اس کا نام بھی نے چاندنی رکھا: چندر کی چاندنی — اسی کو تو پڑی ہلی تھی!

چندر اور مٹو اس پر فریفتہ تھے۔ بڑے فکر مند ہو کر کبھی غور سے اس کے کندھوں کو ٹٹولتے کہ کہیں پر تو نہیں پھوٹ رہے ہیں۔ پر نکل آئے تو پھر سے اڑ جائے گی!

ماسی کی مخالفت کے باوجود اس کی پڑھائی بھی ہوتی رہی کیونکہ وہ ہر دم بچوں کے ساتھ لگی رہتی تھی۔

"وہ نہ جانے کیوں میرا جی آپ ہی آپ دھکڑ پکڑ ہوتا ہے۔ نیک شگن نہیں کہ راستے کا کوڑا آنکھوں میں گھس جائے" ماسی ٹھنڈی سانس بھر کے کہتی "بڑی ہو کے یہ لونڈیا نہ جانے کیا گل کھلائے گی!"

بڑے سرکار بہت بڑے تھے اس لیے نہ ان کے دوست نہ یار نہ

کہیں آنا نہ جانا۔ وہ تھے اور سائن کی فلسفے کی کتابیں۔ گھوڑے کی سواری اور تیرنے کے سوا کبھی باہر نہ نکلتے۔ دور دور تک جاگیر پھیلی ہوئی تھی۔ اپنی نہر، اپنے جنگل اور جھیل۔ کاش چندر ہی ان کے ساتھ کا ہوتا تو اتنا جان لیوا اکیلا پن نہ ہوتا۔ چندر اور پمو کی کیسی گاڑھی چھنتی تھی۔ کبھی ان کا دل چاہتا ایک دم ان کی طرح ٹھٹھے لگانے لگیں ہیڑوں پر چڑھ کر دھما دھم کو دیں، مگر بڑپن آڑے آجاتا۔

اوشا کو وہ کبھی نہ سمجھ سکے۔ شرمائی سی بیچاری مورتی چوری چوری انھیں تکنے کے سوا کسی مصروف کی نہ تھی۔ اُسے جوان ہوتے دیکھ کر جو خیالات ان کے دل میں آئے ان کو گندہ سمجھ کر وہ ایک دم سہم گئے اور انھیں اس کے وجود پر غصہ آنے لگا۔ چندر گدھا تھا، پڑھائی سے جان چراتا۔ شریر سب کو پریشان کیا کرتا تھا۔ ماسی کا تو ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ ان کا خیال تھا بڑا ہو کر ضرور زخا کو نکلے گا، موقع مل گیا تو ساری جائیداد پھونک کے کنگال ہو جائے گا۔ وہ ہنستا تھا، کھیلتا تھا، جھگڑتا تھا۔ ایک معمولی انسان تھا!

مگر سورج دیوتا تھے۔ ماسی روزان کی آرتی اتارتی تھی۔ گاؤں والے انہیں اوتار مانتے تھے۔ یہ نصیب کی بات تھی بھگوان چاہے جسے دے، کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اور تو اور چندر کا کتّا تک ان سے

لرزتا تھا۔ ایک دن یونہی انھوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو سنانت نہ سنے لگا۔ ماسی نے اسے ان کے کمرے میں جانے پر اتنا پیٹا یا کہ وہ دروازہ دیکھتے ہی کانپ کر پلٹ جاتا۔

ایک دن بچے باغ میں گیند کھیل رہے تھے۔ چندر لڑکیوں کو خوب پدار ہا تھا کہ گیند چاندنی کے ہاتھوں سے بچ کر سورج کے پیروں کے پاس آن گری۔ بچوں کو پتہ نہ چلا کہ گیند کدھر گئی۔ ڈھونڈتے آئے تو سورج نے اٹھا کر جیب میں ڈال لی اور انجان بن کر پڑھنے میں جٹ گئے۔ بچے جھاڑیوں میں گیند ڈھونڈتے رہے۔ سورج کے دل میں سویا ہوا نوجوان لڑکا جاگ اٹھا۔ جیب سے گیند نکال کر بڑی حسرت سے دیکھی۔ اتنی سی عمر میں اتنا بھاری بوجھ کندھوں پر آن پڑا تھا کہ کبھی گیند جیسی حقیر چیز کی طرف دھیان ہی نہ جانے دیا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھ کر گیند کو زور سے اچھالا اور نیچے آتے آتے زور کا ٹک لگا دیا۔ خلافِ توقع گیند زنائے سے اڑی اور ٹھیک ماسی کی کھڑکی کو توڑتی ہوئی دھائیں سے ان کی کھوپڑی پر پڑی۔ ماسی بڑے دھیان میں ڈوبی ایک لیک نرگنیں تا یا بُنے کر رہی تھیں۔ گیند جو سر میں لگا تو ڈر کے چنگھاڑیں ماریں اور غصیلی نظروں سے گھورا پھر دندناتی باغ میں پہنچیں۔ چندر گیند کی تلاش میں ادھر ادھر جھانک رہا تھا کہ ماسی نے اس کا کان پکڑ لیا اور اُسے دوڑاتی ہوئی بڑے سرکار کے

سودائی

حضور میں سے چلیں۔ چاندنی نے جو چندر کی گت دیکھی تو بلبلا کر ماسی کی کلائی میں جھول گئی اور چوہیا جیسے نکیلے دانت گاڑ دیے۔

"ہائے میری مینا ری۔" ماسی نے تڑپ کر کان چھوڑ دیا اور ایک تھپڑ جو مارا تو دوسری سے ٹکرا کر نیچے گر گئی۔ اس سے پہلے کہ ماسی اس کا کچومر نکال دیتیں چندر اور موتی اسے سمیٹ کر ڈٹ گئے۔

"مجھے مار لو ماسی پر اسے رہنے دو۔" موتی گڑگڑائی اور سارے وار اپنی پیٹھ پر سہہ لیے۔ سورج نے یہ سب کچھ دیکھا تو ماسی کی حماقت پر بڑی ہنسی آئی۔ جب اس کے سامنے مقدمہ پیش ہوا تو وہ بڑی معصوم شکل بنائے کتاب پر جھکا رہا۔ ماسی کو اس پر بہت پیار آیا۔

"کیوں چندر، تم بڑے شریر ہو گئے ہو۔" انھوں نے اسے ڈانٹا۔ تھوڑی دیر پہلے چندر پر جھپٹنے والا سورج غائب ہو چکا تھا، صرف دیوتا سمان بڑے بھیا رہ گئے تھے۔ انھیں تو یہ سوچتے ہوئے بھی ڈر لگتا تھا کہ وہ دونوں ہستیاں دراصل ایک ہیں۔ وہ ذلیل سورج تو سرکار نہیں کوئی اور تھا۔ برائی کرنے کے بعد اسے دور کسی کونے میں چھپا دیا جائے تو پھر وہ ان کی اپنی ذات سے الگ ہو جاتی ہے۔

"بڑے بھیا نہیں، ہم نے نہیں کھینچی۔" چندر نے سہم کر کہا

"ارے ارے، پھر سے جھوٹ بولتے ہو۔ چلو ماسی سے چھما مانگو۔"

"معاف کر دو ماسی۔" چندر نے ہتھیار ڈال دیے اور ماسی سے معافی مانگ لی

گھڑیاں سالوں میں بدلتی چلی گئیں۔ وہ ننھا سا جامن کا پودا جو ممّو اور چندر نے جھیل کے کنارے لگایا تھا بڑھ کر دیوزاد بن کر جھومنے لگا۔ سورج کا رعب بھی دیوزاد بن کر سارے گھر پر چھا گیا۔ بچے ان کا اتنا مان کرتے تھے جتنا ماں باپ کا بھی نہیں کیا جاتا۔ چندر اب بھی ان سے نظر ملا کر بات کرتے گھبراتا تھا۔ ممّو ذرا لاڈلی تھی مگر دو بدو بات کرنے کی اس میں بھی ہمت نہ تھی۔ اوشا رانی کے دل و دماغ پر سب سے گہرا سایہ تھا۔ دیوزاد نے انھیں بالکل ہی مفلوج کر ڈالا تھا۔ ان کے دماغ اور دل پر بڑے سرکار راج تھا۔ مشین کی طرح وہ سورج دیوتا کے گرد چکر کاٹتی رہتی۔ انھیں ناشتہ کروانا، نپکن کھول کر دینا، انڈوں پر مقررہ مقدار ہی نمک مرچ چھڑکنا، توس پر مکھن لگا کر دینا، پھر اپنے ہاتھ سے ان کے سامنے سے برتن اٹھانا۔ اس خدمت میں اب نہ کوئی لذّت رہی تھی نہ کوفت۔

وہ بڑے سرکار کی داسی ہے اور یہی اس کے نصیب میں لکھا ہے۔ اس کے لیے دنیا میں ایک مرد تھا۔ اور وہ سورج تھا۔ وہ ان کی جیون ساتھی بننے کے لیے پیدا ہوئی ہے: ایک دن اس کا بیاہ ہوگا۔ بڑے سرکار اس کا گھونگھٹ اٹھائیں گے۔ بابیر خدمت بھی داسی کو ہی انجام دینا ہوگی! منشی جی پہلے بچوں کے ماسٹر کی حیثیت سے آئے تھے۔ برسوں پڑھاتے رہے اور وہیں کے ہو رہے۔ انھوں نے اوشا رانی کے عشق میں اپنی جوانی سکھادی اسے دیکھ کر سوائے ٹھنڈی سانسیں بھرنے کے اور کیا کر سکتے تھے! وہ اس کی پوجا کرتے تھے۔ پڑھاتے وقت سامنے سے گزر جاتی تو بوکھلا کر الٹی سیدھی باتیں کرنے لگتے۔ اوشا کو یوں انھیں بدحواس کرنے میں بڑا لطف آتا۔ وہ جان جان کر ان کا دل دکھانے کے لیے میٹھے میٹھے قہقہے لگاتی اور چھیڑ چھیڑ کر باتیں کرتی،

"منشی جی اگر آپ کو پتہ چلے کہ کوئی آپ کا دیوانہ ہے تو آپ کیا کریں؟"

"جی — جی — میں —" ماسٹر جی کے پسینے چھوٹ جاتے۔

"میرا مطلب ہے کوئی بھی۔ یوں سمجھیے جیسے کسی لڑکی کو کوئی بڑا ہی گنی انسان پیار کرتا ہے تو اس لڑکی کو کیا کرنا چاہیے؟"

"وہ — وہ اس پر دیا کرے!" ماسٹر جی دھوتی سے پسینہ پونچھنے لگے۔

"کیا وہ صاف صاف کہہ دے کہ جی ہاں میں بھی آپ کو پسند کرتی ہوں؟"

"جی — جی — اگر —"

"اس میں اگر مگر کی کیا بات ہے؟ آخر وہ ایک اونچی ذات کی کنیا ہے کوئی نیچ چھچھوری لڑکی نہیں، وہ پرش بھی بہت مہان ہے، بہت سندر اور رنگین۔"

"جی؟" ماسٹر جی کو شبہہ ہونے لگتا یہ اُن کا ذکر نہیں۔

"مگر وہ منہ سے تو کبھی کچھ نہیں کہتے۔" اور شارانی اداس ہو جاتیں۔

"شاید اس لیے کہ یہ اچھی بات نہیں۔ کیوں ماسٹر جی؟"

"جی — جی ہاں —" ماسٹر جی اور بھی بجھ جاتے۔

"اسی لیے تو وہ ان کی پوجا کرتی ہے، انھیں اپنا گرو مانتی ہے، ان کے چرنوں میں جیون بتانا اپنا دھرم سمجھتی ہے، مگر وہ کچھ نہیں جانتے، تمھی تو کچھ نہیں کہتے۔ کیوں ماسٹر جی یہی بات ہے نا؟" اور ماسٹر جی کو اپنے عشق کا انجام صاف نظر آنے لگتا۔ رشارانی کا حسن اور جوانی بیچارے کے لیے ایک سزا بن کر رہ گئی تھی۔ کوئی سگا سوتیلا بھی نہیں تھا۔ جو زبردستی شادی کرا دیتا اور وہ اسے بھول جاتے۔ یونہی عاشق نامراد بنے سوکھ رہے تھے۔ اور سلگ رہے تھے۔ ایک ہی جگہ بوند بوند پانی ٹپکے جائے تو پتھر میں بھی گڈھا پڑ جاتا ہے، اور شا کے پیار میں دکھ سہتے

بنتے جیسے دل میں گٹھے پڑ گئے تھے اور کچھ عادت سی ہو گئی تھی، مگر پیار اب کچھ کڑواہٹ دینے لگا تھا۔

کبھی اوشا سے چڑ کر بڑے سرکار اسے جھڑک دیتے، پھر ندامت مٹانے کو جھوٹی اُمید بندھانا پڑتی۔ وہ ذرا مسکرا کر بول لیتے تو اوشا رانی کے دل میں پھول کھل جاتے۔ ماسی اوشا کو سمجھاتی :

"بیٹی یہ تجھے اوندھی سیدھی باتیں کیوں سوجھتی ہیں؟ اگر تو پسند نہ ہوتی تو کیا زبردستی تھی، کہیں اور شادی کمانے کو کہتا۔ وہ تو کسی سادھو سنت کا اوتار ہے رانی، ایسے لوگ عورت کو مٹی سمجھتے ہیں۔"

اوشارانی کو قطعی انکار نہ تھا بشرطیکہ وہ اس مٹی کو سویکار کر لیں۔

کبھی ماسی اوشا پر غصہ آنے لگتا اسی میں کچھ کمی ہے کہ آنکھوں میں نہیں کھپتی۔ وہ اسے بنے ٹھنے رہنے کو کہتیں، تازہ فیشن کی تاک میں رہتیں، اسے کسی نہ کسی بہانے سے سورج کے آس پاس ہی رکھتیں۔

گو ماسی ٹھیک سے نہیں تھی کہ یہ لونڈیا چاندنی بڑھتی ہو کر ضرور گل کھلائے گی۔ اس پر جو بہار آئی تو ایک دم گلزار بن کر مہک اٹھی۔ اتنا گٹھیلا پن شریف نادیوں میں نہیں ہوتا۔ ضرور کسی بیسوا کی جائی ہو گی کیا پتہ؟

اور شاید یہ حسن کا غرّہ تھا کہ یکایک تند ہو گئی۔ بڑے سرکار تنک سے

ڈرنا چھوڑ دیا۔ وہ آجاتے تو ایک دم سب کے منہ کو تالا لگ جاتا مگر وہ بڑبڑ کیے جاتی۔

"چپ رہ چاندنی، بڑے بھیا آ رہے ہیں۔" پمو اُسے روکتی۔

"کاہے کو چپ رہیں جی، ہم کوئی گالیاں بک رہے ہیں۔ ارے تم بیکار کو ان سے ڈرتی ہو، ہم تو خاک نہیں ڈرتے۔ کل بڑی بڑی آنکھیں نکال کے گھورا تو سمجھے تھے مر جائے گی ڈر کے مارے!"

"ہائے ماں، تجھے گھورا بڑے بھیا نے۔"

"ہاں۔"

"پھر؟"

"پھر کیا میں نے منہ چڑھا دیا۔" چاندنی ہنسی۔

"چل جھوٹی۔"

"قسم سے!"

"پھر؟"

"پھر کیا بھاگ آئی۔"

"اور جو ماسی دیکھ لیتی تو؟"

"ارے ماسی سے کون ڈرتا ہے! ہنہ بس بھونکتی ہے، کاٹتی واٹتی کچھ نہیں۔"

"اچھا ری تو ان سے ڈرتی نہیں تو پھر بڑے سرکار کا ہے کو کہتی ہے؟"

"اور نہیں تو کیا کہوں؟"

"بڑے بھیا کہہ۔"

"دہت۔"

"کیوں؟"

"ذرا جی چڑاتی ہے: کیا وہ تیرے ابھی سے جیٹھ بن گئے جو تو انھیں بڑے بھیا کہتی ہے۔"

"نہیں تو مجھے لاج آتی ہے۔"

"پر ایک دن کہنا تو پڑے گا بڑے بھیا۔"

"چل ہٹ، میں ماردوں گی، ہاں۔" چاندنی بن کر شرمانے لگی۔

چاندنی بلا کی چلبلی تھی، ابھی اس کی محبت میں سوز کم شرارت زیادہ تھی۔

سرد آہیں بھرنے کے بجائے دھول دھپے میں لطف آتا تھا۔ ماسی چین اٹھائے ہر دم سر پر سوار رہتی تھی۔ مجال ہے جو جوان لڑکا لڑکی ضرورت سے زیادہ گھل مل جائیں۔ ہاں اوشا کو وہ جان جان کے بڑے سرکار کے اکیلے کمرے میں بھیجتیں۔ شاید کچھ گھپلا ہو جائے تو پھر شادی کرنی ہی پڑے گی۔ مگر بڑے سرکار تو پتھر تھے۔ پتھر۔ اوشا جیسی جونک بھی نہ لگ سکی۔ انھیں

کبھی ڈر لگتا کہ کہیں یہ لونڈیا چندر کو نہ کسی پھندے میں پھانس لے، مگر انھیں یقین تھا اس میں اتنا دم نہیں کہ بڑے سرکار کی محبت اور رعب چندر کے دل سے نکال سکے۔ اب تک یہ حال تھا کہ نظر بھر کر دیکھ لیتے تھے تو پیلا پڑ جاتا تھا۔ کتنا ہی بُرا سہی پر بڑے بھائی پر جان نچھاور کرنے کو تیار تھا۔

پھر یہ بھی سوچتی تھیں کہ اگر لونڈیا سے پھنس گیا تو پھر یہاں سے منہ کالا کر جائے گا، جا ئید اد کی طرف آنکھ اٹھانے کی ہمت نہ ہو گی۔

مگر چاندنی کی ساری دلیری اس دن ختم ہو گئی جس دن اُسے بڑے سرکار کی نیت پر شبہ ہوا۔ کوئی دوسری ہوتی تو کبھی خیال بھی نہ آتا۔ وہی اتنی نیچ تھی کہ اسے ان کا نیچا پن معلوم پڑ گیا۔ بات یہ ہوئی کہ چاندنی نہا رہی تھی کہ نہ جانے کیسے اس کی چھٹی حس جاگ اٹھی اور ایسا معلوم ہوا کوئی غیر آنکھ اُسے تاک رہی ہے۔ اس نے کپڑے اتار دیے تھے، بالوں میں ریٹھے ڈال چکی تھی، اُسے شبہ ہوا باغ کی طرف کھلنے والے دروازے کے قریب کوئی ہے۔ چڑیل مہتر کی لونڈیا بڑی بد معاش ہے، ہر وقت تاکا جھانکی کرتی ہے۔ اس نے جلدی سے تولیہ باندھ لیا۔ دروازے کے شیشے پر جو پرچھائیں پڑ رہی تھی اس سے اندازہ ہوا بچہ نہیں۔ سایہ جلدی سے ہٹ گیا تو پالش لگے ہوئے شیشے پر جو تھوڑی دیر پہلے کالا نشان تھا ایک دم مٹ کر روشنی آنے لگی۔ یہ کالا نشان نہیں تھا کسی نے پالش کھرچ

کر جھانکنے کے لیے شیشہ صاف کر دیا تھا۔ اور کسی گندہ ذہن انسان کی آنکھ تھی جو اسے چوکنا دیکھ کر بھاگ گیا۔ اس نے تھوڑا سا صابن نوچ کر شیشے پر چپکا کر بند کر دیا۔ مارے ذلت اور شرم کے اسے نہانا دشوار ہوگیا۔

دوسرے دن اس نے اوشا سے کہہ کر مرمت کروا دی۔ مگر چند دن بعد اس نے دیکھا دوسرا شیشہ بھی بار بار کھرچا ہوا ہے۔ وہ اوشا کے غسل خانے میں نہلانے لگی مگر ماسی نے ادہم مچانی شروع کی کہ یہ کا ہے کے نخرے ہیں، اور وہ سہم کر رہ گئی۔

گر اس نے طے کر لیا کہ وہ کسی طرح جھانکنے والے کو پکڑے گی۔ اس نے شیشے کا سوراخ بند نہیں کیا۔ غسل خانے میں جا کر اس نے یونہی پانی گرانا شروع کیا، باغ کے دروازے کی کنڈی کھلی رکھی، اس کی نظریں شیشے پر جمی ہوئی تھیں، جھانکنے والے کو اندازہ نہیں تھا کہ اندر سے ہلکا سا سایہ دکھائی دیتا ہے۔ جیسے ہی کھرچی ہوئی جگہ پر آنکھ آئی چاندنی نے دھڑ سے دونوں پٹ کھول دیے۔ سامنے بڑے سرکار کھڑے تھے۔ اور ان کی آنکھوں میں زمانے بھر کی غلاظتیں بھجیا رہی تھیں — وہ سکتے میں کھڑی رہ گئی۔ پھر پلٹ کر اپنے کمرے میں جا کر زخمی چڑیا کی طرح گر پڑی۔

اُسے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آرہا تھا۔ جیسے اس نے بھگوان کو گوبر کھاتے دیکھ لیا ہو۔ اگر وہ کسی سے ذکر کرتی تو طوفان کھڑا ہو جاتا۔ پھر وہ اس گھر میں ایک منٹ نہیں رہ سکتی تھی۔ اس نے پتو سے صرف اتنا کہا کہ غسل خانے میں کوئی جھانکے نہ اس لیے کاغذ چپکا دیے جائیں۔ پتو بیوقوفوں کی طرح منہ دیکھنے لگی۔ بھلا غسل خانے میں کون جھانک سکتا ہے! اس دن سے اس نے حتی الامکان بڑے سرکار کے سامنے جانا چھوڑ دیا۔ ان سے آنکھ ملانا تو بڑی بات تھی وہ ان کی طرف دیکھتی بھی نہ۔ کھانے کے وقت بڑی مصیبت تھی مگر وہ چوہیا کی طرح پتو اور چندر کے بیچ میں ایک طرف دبک کر بیٹھ جاتی اور الٹے سیدھے نوالے نگل کر بھاگ کھڑی ہوتی۔

بڑے سرکار اس سانحے کے بعد کئی دن اپنے کمرے سے نہ نکلے۔ نہ کھانا کھایا نہ کپڑے بدلے۔ رات رات بھر سگریٹ پھونکنے اور ٹہلنے گزر جاتی۔ انھوں نے اس نابکار سورج کی بڑی ذلت کی جتنا نیچ تھا۔ بس چلتا تو اس کا گلا گھونٹ دیتے!

ماسی اور سارے گھر والے حیران ہو گئے۔ وہ کسی کی صورت نہیں دیکھنا چاہتے۔

سوائے چاندنی کے سب ہی نے بار بار دروازہ کھٹکھٹایا مگر انھوں

نے بھر ٹک دیکھا کئی دن کی پرا کشپت کے بعد انھیں یہ یقین ہو گیا کہ چاندنی نے کسی سے کچھ نہیں کہا تو ذرا ڈھارس بندھی۔ پھر انھیں خیال آیا کہ چاندنی کو ان کے جرم کا کیا پتہ! اگر وہ دروازے کے پاس کھڑے بھی تھے تو اس میں ایسے غضب کی کیا بات تھی؟ ان کا گھر تھا، وہ مالک تھے ہزار وجوہات ہو سکتی ہیں ان کے وہاں ہونے کی۔ چاندنی میں اتنی ہمت نہیں ہو سکتی کہ وہ ان کی نیت پر شبہ کرے۔ اس یقین کے بعد وہ بڑی دیدہ دلیری سے باہر نکل آئے۔ اسی دن ماسی نے سرنادیوی کے منھ کی چاہی میں کلاوہ باندھ کر منت مانی تھی۔ یوں فوراً گنشا نے پر تیر بیٹھتے دیکھ کر وہ سرنادیوی کے چرنوں میں اندھی ہو گئیں۔

"ہے بے بٹیا، میرا تو دم نکلا جا رہے لیے ہے، کیا بات ہوئی؟"

"کچھ نہیں ماسی، ذرا طبیعت بھاری تھی، سوچا برت ہی رکھ لیا جائے۔ آپ لوگ تو خواہ مخواہ پریشان ہو جاتے ہیں، مجھے کچھ فلسفے کی کتابیں دیکھ کر نوٹس بنانے تھے اس لیے ۔۔۔"

جب وہ باہر نکلے تو چاندنی جھٹ اندر بھاگ گئی۔ اس کے بعد بھی ہوتا کہ سورج کے نکلتے ہی چاندنی گل ہو جاتی۔ بات آئی گئی ہو گئی۔ مگر شیر اور ہرنی کی دوڑ شروع ہو چکی تھی۔ شیر کی بُو پا کر ہرنی چوکڑیاں بھرنے لگی۔ راتوں کو کبھی چاندنی سوتے سوتے کوئی ڈراؤنا سپنا دیکھ کر

ہچکیوں سے رونے لگتی، جیسے دور سنسان جنگل میں وہ سوکھے پتوں کے ڈھیر پر جا پڑی ہے، آس پاس بھیانک سناٹا ہے اور کوئی نہیں۔ کوئی نہیں۔ وہ بھاگ رہی ہے، دو آنکھیں اپنی بانبیوں سے نکل کر اس کی طرف رینگ رہی ہیں، اس کے پیروں میں الجھ رہی ہیں! لمبے لمبے سانپوں کی طرح لہراتی ہوئی آنکھوں نے اس کا بند بند جکڑ لیا ہے۔ ایک اژدہا اس کے وجود کو ہولے ہولے پیس کر نگل رہا ہے۔ اس کی سانس رک گئی ہے، پھیپھڑے چپک کر چپاتی ہو گئے ہیں۔ اب دم واپس نہ آئے گا اور وہ جنم جنم یونہی نیچے۔ بہت نیچے گرتی جائے گی۔ پھر اس کی آنکھ کھل جاتی، لمبا سانس کھینچ کر وہ ہچکیوں سے رونے لگتی، دھیرے دھیرے، کہ کہیں پاس سوتی ہوئی پمّو کی نیند نہ حیران ہو جائے۔

وہ کہاں پیدا ہوئی تھی؟ کیا اُسے بھی کسی ماں نے جنم دیا تھا؟ اس کا بھی کوئی باپ تھا؟ تو پھر کیوں سب اس کو چھوڑ کر گم ہو گئے؟ یا شاید کوئی بھی اُسے دھرتی پر پھینک کر بھول گئی!

اس کا روم روم ٹھاکر خاندان کے بندھنوں میں جکڑا ہوا تھا گھورے پر سے اٹھا کر بیچ میں انھوں نے اسے شہزادی بنا دیا تھا۔ اور چندر۔ بغیر چندر کے چاندنی کہاں ہو سکتی ہے؟ وہ دنیا کتنی دکھ بھری اور اندھیری ہوگی جہاں چاند نہ ہوگا! وہ چندر کی چھایا ہی تو تھی، جبھی تو

ہر دم اس میں سما جانے کی خواہش بچپن سے رکھتی تھی۔ کتنی ڈھارس تھی اس کے پیار میں! وہ اسی کی تھی — اس نے بڑی پائی تھی نا!

پتو! نہ جانے پچھلے جنم میں اس نے کون سے پن کیے تھے جو پتو جیسی سہیلی انعام میں ملی۔ پتو کی دوستی، بہناپا یا ممتا جو کچھ بھی کہہ لو، اس کے جیون کا سب سے حسین وردان تھی۔ پتو انسان نہیں کسی دیوی کا اوتار تھی، ہمیشہ ماں کی طرح اسے بچائے رکھتی۔

اوشا دیدی کے کیا کہنے، وہ تو اوشا دیدی ہیں نا۔ گھر کی رانی کسی کو ان سے شکایت نہیں۔ سب کو پیار دیتی ہیں، سب کا خیال رکھتی ہیں۔ دل والی ہیں نا۔ مگر ان کے دیوتا بالکل کھڑ سنجا، آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے کہ بچارن ہاڑ ماس کی پتلی ہے یا بھربھری ریت کا ڈھیر! کچھ نہیں مانگتی، دل کی سانگری سلگائے ماتھا ٹیکے پڑی ہے۔ کبھی تو دیوتا کی آنکھ جاگے گی! اس کے ہردے سے ست کا شعلہ کوند کر ان کے دل میں اتر جائے گا، پھر جیون سپھل ہو جائے گا۔ ہاتھ جوڑ کر چاندنی بھگوان کے حضور میں ماتھا ٹکا دیتی:

"ہے بھگوان! کب پسیجو گے؟ اوشا دیدی کا کلیان کب ہوگا؟ چڑیا کب تک پیاسی تڑپاؤ گے؟"

مگر چاچی تو صرف بھونکتی ہے، کاٹتی وہ بھی نہیں۔ جوانی میں میاں

چل دیے، تب سے بس اوشا کے لیے جی رہی ہے۔ اُسے گھر کی رانی بنانے کی دھن میں ہر ایک کی سیوا پر جٹی ہوئی ہے۔ نہ کھانے کا شوق نہ پہننے اوڑھنے کا، بس ایک ہی فکر ہے کہ اوشا کا نصیب جاگ اُٹھے۔ ایسی کون سی بڑی بھاری آرزو ہے جو بھگوان کو پورا کرتے آلس آتی ہے۔ ساری دانتا کل کل اسی بات کی تو ہے، کہ مہر کا ریجینٹ سویکار نہیں کرتے۔ اسے پالن ہار! ان کے دل میں اوشا کا پیار بھر دے تو تیری خدائی میں کون سا ٹوٹا آ جائے گا؟ پھر یہ ابھاگنے بھوت نہ ستائیں گے۔

اس نے باتوں باتوں میں یونہی ایک دن چندر کو ٹٹولا: "چندر جی؟"

"ہوں۔"

"چاندنی مر جائے تو کیا کرو گے؟"

"چاند ڈوب جائے تب ہی چاندنی مر سکتی ہے۔ تو مجھے کوس رہی ہے؟" چندر آنکھیں موند کر بولا۔

"ہائے میرا منہ جلے، تجھے کوسوں گی؟ یہ زندگی کا کیا بھروسہ، لوگ مر جاتے ہیں۔"

"چل پگلی، اس وقت موت کیوں یاد آ رہی ہے؟"

"پتہ نہیں چندرو جب تو پاس ہوتا ہے تو مر جانے کو من چاہتا ہے۔"

چاندنی نے ٹھنڈی سانس بھری اور اپنا گال اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ "اچھا اگر کوئی مجھے تجھ سے چھین لے تو؟"

"او ہنک، کوئی نہیں چھین سکتا، گولی مار دوں گا۔"

"تیرے بھیّا بھی نہیں چھین سکتے؟"

ایک دم چندرا سے دور جھٹک کر اٹھ بیٹھا، اس کی آنکھوں میں چنگاریاں پھٹنے لگیں: "تو نے بھیّا کا نام کیسے لیا؟"

"چندرو" چاندنی نے سہم کر اس کا ہاتھ چھوڑا۔

"کمینی، وہ میرے پتا سمان ہیں۔" دہشت سے چندر کی آواز گھٹ گئی۔

"بھول ہوئی چندر، میرے منہ سے نکل گیا۔ میں نے یہ تھوڑی کہا۔"

"منہ توڑ دوں گا جو آئندہ تو نے ایسی بات منہ سے نکالی۔ وہ مجھے کتنا چاہتے ہیں، اور تو اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہے بھنگن؟"

"میں تیرے چرنوں کی دھول ہوں چندر۔ تیری چھایا۔" وہ پاس گھسنے لگی۔

"دور ہٹ، مجھے غصہ آرہا ہے۔ تو نے بھیّا کو گالی دی۔"

"تو مجھے مار چندرو۔ زور سے تھپڑ مار۔" چاندنی آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی۔

"ہٹ۔" چندر نرم پڑگیا۔

"چندر میں نے تو یونہی کہا پگلے تو کیا سمجھ بیٹھا؟ تیرے بڑے میرے بھی مالک ہیں، میرا مطلب تھا وہ۔ وہ مجھے گھر سے نکال دیں اور۔" چاندنی نے بات پلٹی۔

"تو میں بھی گھر سے نکل جاؤں گا، مگر ایسا نہیں ہوگا۔ بھیا بڑے نیک ہیں، میری ضد آج تک انھوں نے نہیں ٹالی۔"

"مگر میں۔ میں تو رام جانے کون ہوں، تو ٹھاکر کا پوت۔"

"تو چاندنی ہے اور بس اس کے آگے میں کچھ نہیں جانتا۔" چندر نے اُسے باہوں میں لے کر اتنی زور سے بھینچا کہ اس کی جان کھنچنے لگی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی گھاس پر دونوں لوٹ گئے۔ ایک دم چاندنی نے بچاؤ کے لیے، چندر کے بال پکڑ لیے، مگر یہ دیکھ کر اس کا دل کانپنے لگا کہ بجائے دور ہونے کہ وہ اس میں سمانے لگی۔

ایک دم خشک پتوں میں سرسراہٹ ہوئی اور دونوں تڑپ کر دور ہو گئے۔ بڑے سرکار کا پیوا ہی سے آسمان کی طرف نظریں جمائے ہاتھ میں بندوق لیے دکھائی دیے۔ چاندنی جلدی سے پیڑ کے تنے کی آڑ میں ہو گئی۔ یونہی بڑے سرکار نے چندر کی طرف دیکھا جو چادر بنا گھاس پر پڑا تھا۔ ان کی آنکھوں میں سانپ پھنکار رہے تھے۔ چندر ایک دم ڈر کے کپڑے جھاڑتا کھڑا

ہو گیا۔

ایک دم بڑے سرکار مسکرا پڑے، بڑی نرمی سے بولے:

"گیلی گھاس پر بیٹھے" ہوا سردی ہو جائے گی۔ جاکر سو جاؤ بیٹو۔"

"جی۔ جی۔" چندر بھاگنے لگا۔

"امتحان کی تیاری کر رہے ہو۔"

"جی۔"

"پڑھنے کے لیے یہ جگہ تو اچھی ہے پر کتابیں کہاں ہیں؟"

"آ۔ وہ۔ کمرے میں۔"

"خیر کوئی بات نہیں، مگر قاعدے سے تمھیں بھی کمرے ہی میں پڑھنا چاہیے۔"

"جی۔"

وہ ایک سوکھے ہوئے پیڑ کے تنے پر بیٹھ گئے۔ بندوق کھول کر خالی کارتوس نکالا اور پھونک سے نالی صاف کی۔ چندر بدھو کی طرح کھڑا تھا۔ انھوں نے جو بڑی بڑی آنکھیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو بھاگا۔

بڑے سرکار نے نیا کارتوس ڈال کر کھٹ سے بندوق بند کی۔ چاندنی کا دم نکل گیا، جیسے دعائیں سے گولی اس کے سینے میں لگی۔ وہ پیڑ کے تنے

ہوئے کاغذ کی طرح چرمر ہو گئیں اور وہ صابن کے جھاگ کی طرح اس کے
قدموں میں سرنگوں ہو گئے۔

ہرنی کو گھائل کرنے میں اگر شکاری خود یوں چت ہو جائے تو وہ بھی
دم بھر کے لیے بھونچکی ہو کر چوکڑی بھول جائے گی۔ مگر دوسرے لمحے
وہ سنبھلی اور بندوق کی نال کو پھلانگتی ہوئی تیر کی طرح حویلی کی اور بھاگ
کھڑی ہوئی۔

سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔ پیڑ ہلا تو چاندنی منہ کے بل گرتے گرتے سنبھل گئی۔ آہستہ آہستہ پہلے بندوق کی نال نظر آئی، پھر ہاتھ اور کندھا پیڑ کی آڑ سے سرکا۔ چاندنی دبے پاؤں سرک کر پھر آڑ میں ہو گئی مگر بندوق کی نال بھی اسی رفتار سے ایک دائرے میں گھوم کر پھر سامنے آگئی۔ چاندنی بری طرح لرز رہی تھی، پسینے کی لڑیاں اس کے سارے جسم پر رینگنے لگیں۔ وہ تیزی سے مڑی کہ ایک ہی چھلانگ میں بھاگ نکلے مگر وہیں کی وہیں پتھر بن کر رہ گئی۔ بندوق کی نال اس کی آنکھوں کے سامنے سانپ کے پھن کی طرح پھنکار رہی تھی۔

دو گہرے کنوئیں۔ جو میلوں دور گہرائی میں ڈوبتے چلے گئے تھے، جن کی تہہ میں گولیاں تھیں۔ بندوق کی نال کے جادو سے آنکھیں چھڑا کر اس نے ان سے بھی زیادہ خطرناک زہر میں بجھی سنگینوں جیسی آنکھوں میں ڈرتے ڈرتے دیکھا تو نفرت اور غصے کے شعلے لپک رہے تھے۔ باوجود کوشش کے وہ ان کی آنکھوں کے بھنور سے اپنی آنکھیں نہ چھڑا سکی۔

مگر وہ سناٹے میں رہ گئی جب ایک دم بس بھری پھنکارتی آنکھوں کے پھن جھک گئے، بڑے سرکار کی پیشانی پر پسینہ پھوٹ نکلا، بندوق کی نال پلکوں کی لرزش کے ساتھ جھکتی گئی۔ بڑے سرکار پر ایک دم جیسے پہاڑ ڈھے پڑا۔ ان کا لمبا چھریرا جسم جھول گیا کندھے جھک گئے ٹانگیں بجلے

بیکار کی منتھا پھوڑی ہے ماسی جی، اس چٹان پر پھول کھلنے کی آشا چھوڑ دو۔

منشی جی چٹکیاں بھرے جا رہے تھے، ماسی بڑے سرکار کے لیے ناشتہ سجا رہی تھیں۔ اوشا کو پکارا تو ویسے ہی سر جھاڑ جھنکاڑ اکٹھی چلی آئی۔ ان تنوں بن چکیں رانی۔ اسلئے بیبر دل انھوں نے اُسے کپڑے بدلنے کو واپس بھیجا۔ منشی جی بڑا اگندہ سا قہقہہ مار کر چھیڑنے لگے۔

"بھونکے جا موئے۔ پیر کی جوتی کو بھی دن لگے ہیں کہ سر چڑھی آتی ہے" ماسی بگڑنے لگیں۔

"یہ میں تو تمہارے ہی بھلے کو کہتا ہوں۔ کیوں بٹیا کی جوانی کو دیمک لگا رہی ہو۔ کیا ساری عمر ڈال پر ہی لٹکائے رکھو گی؟ میری کسم طوطے مینا ٹھونگیں مار کر کھوکھلا کر دیں گے۔"

"دیکھ منشی نگوڑے میرے منہ نہ لگ، ہاں!"

"پر میں کہوں کچھ بھید ضرور ہے! اپنی کسم ستره سال سے ڈیوڑھی

پر ڈیوٹی دے رہا ہوں آج تک کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہوئی۔"

"ادئی، موئے نہ جانے کیا بک رہا ہے۔"

"تم ٹھیریں عورت ذات، اب تمہیں کیا بتائیں؟ پر سچ بتاؤ کبھی سنا کہ بڑے سرکار نے مہترانی کو چھیڑا کہ دھوبن کی کولیا بھر لی؟"

"اسے پھٹکار تیری صورت پہ، اسے بٹی تو نے نیچ سمجھا ہے اپنی طرح!

ٹھاکر کا پوت موئی مہترانی دھوبن سے چھیڑ کرے گا؟"

"ایسا تو نہ کہو متیا، ہم جانیں ہیں ان ٹھاکروں کی ٹھکرائی۔ یاد ہے

بڑے ٹھاکر کا زمانہ؟ سالی ون کی گلی چھوڑ دی تھی!"

"تب ہی تو سٹر سٹر کر مرے۔ میرا سورج ایسا نہیں۔ منشی تو نا سمجھے گا اسے

گیان دھیان سے ناطہ رکھنے والے من میں کھوٹ نہیں رکھتے۔"

ماسی نے ٹھنڈی سانس کھینچی۔

"اچھا جی ہٹاؤ سالی مہترانی دھوبن کو، اپنی اوشا رانی ہیں، کیا سندرتا

ہے کہ دیوتاؤں کی رال ٹپکے، مگر بڑے سرکار نے کبھی ان سے پیار سے

چھیڑ خانی کرلی؟"

"خبردار جو تو نے میری بٹیا کا نام لیا۔ حرام زادے، چل دور ہو" ماسی

نے کھڑاؤں اٹھائی اور منشی جی دور بھاگے

"اچھا جی گرم کاہے کو ہوتی ہو، لگو کہے دیتا ہوں کچھ معاملہ ضرور ہے۔

سودائی

ایسا بھی سمال کیا گیان دھیان - اپنی اد شارانی کچھ منہ کا سے کہتی ہیں؟ مگر میّا یہ وشوا منتر تو مجھے کاٹ کا الّو جان پڑتا ہے - یہ سرنا دیوی کیسے ہاں کو ہے کو بیکار منتھا چپوتڑی کر رہی ہیں، یہ بھوت ان کے بس کا نا ہے -"

کھڑاؤں ان کے گھٹنے پر کھٹاک سے لگی اور وہ بلبلا کر کوستے اٹھتے بھاگے۔

"ہائے رام مر گیا۔" وہ بلبلا ئے۔

"ہوش میں رہنا منشی جی۔" ادھر سے اوشا رانی بنی ٹھنی چلی آرہی تھی، وہ سمجھی اسے منشی نے پھر چھیڑا۔ منشی جی بھڑک اٹھے: "ایسی تیسی مالی کھڑاؤں کی بچی۔" انھوں نے کھڑاؤں میں زور کی ٹھوکر لگائی۔ "میرا صبر سمیٹو گی تم ماں بیٹی تو یاد رکھو۔ ہاں۔" اور وہ لنگڑاتے، بڑبڑاتے چل دیے۔
سر سے پیر تک گلابی جوڑے میں، وشا رانی بڑی نازک اور حسین لگ رہی تھی۔ ستائیس برس کی بالکل نہیں معلوم ہوتی تھی۔ منہ پر شرم و حیا کی ہلکی ہلکی افشاں نے اور چار چاند لگا دیے تھے۔

وہ ناشتے سے لدی پھندی کشتی لیے دبے پاؤں کمرے میں پہنچیں تو بڑے سرکار ہاتھ میں شکاری چاقو لیے میز پر جھکے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے ننگی عورت کی ایک تصویر بری طرح کٹی پھٹی پڑی تھی۔ اوشا کی چیخ نکل گئی اور کشتی ہاتھ سے چھوٹ پڑی۔

سودائی

بڑے سرکار چونک کر پلٹے۔ اوشا نے دیکھا اس کے سامنے اس کے من مندر کے دیوتا کے بجائے ایک شیطان کھڑا ہے، اس کے خون خوار دانت باہر کو نکل آئے ہیں اور آنکھوں میں دیوانہ پن بھرا ہے۔

"کیوں آئی ہو تم؟" بڑے سرکار نے زور سے چاقو میز پر مارا اور تصویر سمیٹ کر مسل ڈالی۔

"نا۔ ناشتہ۔" اوشا نے لرز کر کہا اور ایک دم منہ چھپا کر جانے لگی۔

"اوشا" وہ ڈر کے ایک دم کھڑے ہو گئے۔ اوشا رک گئی۔

"اوشا، ادھر آؤ" بڑی نرمی سے بولے۔

"جی" اوشا نے پلٹ کر کہا۔

"تم ۔ تم ۔ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتی ہو؟"

"تو اس میں کیا برائی ہے؟ جیسے نوکر لایا ویسے میں اٹھا لائی!"

"مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

اوشا نے کچھ جواب نہیں دیا، آنسو پونچھ کر بھاگنے لگی۔

"سنو۔"

وہ پھر رک گئی۔

"تم نے میری بات کا برا تو نہیں مانا" بڑے سرکار نے کن انکھیوں

سے ٹوکری کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں، اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے؟ میری بھول تھی کشتی گر گئی۔"

"اصل میں مَیں پریشان تھا۔ یہ تصویریں۔"

"جی؟"

"چندر کی حرکتوں نے تو عاجز کر دیا ہے۔ پتہ نہیں اس کے سر میں یہ گندگی کیوں بھری ہوئی ہے۔ ایسی بیہودہ تصویریں کہاں سے لاتا ہے؟"

"اوہ! تو یہ تصویریں انھوں نے چندر سے چھینی ہوں گی۔ ایک دفعہ ان کے کاغذات درست کرتے میں اوشا کو تصویریں ملی تھیں۔ اسے چندر پر بہت غصہ آیا۔ سؤر کہیں کا! ٹھیک ہی تھا غصہ، ایسی گندی تصویریں کاٹ کر پھینکنے کے لائق ہیں۔"

اوشا کے جانے کے بعد بڑے سرکار میز پر لپست ہو کر گر پڑے۔ میز پر کھینچے ہوئے چاقو کے گھاؤ ابھر کر گرم گرم زندہ گوشت کی طرح مچلنے لگے۔ ان کا سارا جسم پسینے سے بھیگ گیا۔ عاجز آ کر انھوں نے مٹھیاں بھینچ کر کنپٹیوں پر رکھ لیں اور لمبی لمبی سسکیاں بھرنے لگے۔

پیتی کا پیتی چاندنی پلنگ پر گر کر سسکیاں بھرنے لگی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا اس کا سارا جسم خونم خون ہو چکا ہے۔ جسم پر کوئی خراش نظر نہیں آتی مگر دم ٹوٹنے کا احساس دل کو سرد سرد انگلیوں سے چھوئے جا رہا ہے۔

اگر کوئی آجاتا، کوئی دیکھ لیتا تو؟

کاش چندر دیکھ لیتا۔ پھر وہ زندہ نہ رہ پاتی، چھٹی ہوتی۔

وہ تو اتفاق سے اصطبل سے گھوڑا چھوٹ کر لان پر آگیا۔ اور اس کے ساتھ تمام نوکر چاکر بھی دوڑ پڑے، ورنہ اس وقت لاؤنج کے سفید براق قالین پر اس کے خون کے لال لال پھول کھلے ہوتے۔ وہ زینے سے بے تحاشہ اتری چلی آرہی تھی، اس کی جھاگ سی اوڑھنی پیچھے بھاگ رہی تھی۔ ایک ہاتھ سے اس نے کتابیں سنبھالیں اور دوسرے ہاتھ سے دوپٹہ، مگر جھٹکا دینے پر دوپٹہ چھوٹ گیا۔ اس نے مڑ کر دوپٹہ اٹھانا چاہا تو وہ ہوا میں اڑتا رہ گیا اور کتابیں ہاتھ سے چھوٹ پڑیں۔ زینے کی سب

سے بلند سیڑھی پر بڑے سرکار کھڑے تھے اور ان کے ہاتھ میں اس کا دوپٹہ تڑپ رہا تھا۔

لمبے لمبے سانپ اُن کی آنکھوں کے حلقوں سے نکل کر اس کے گرد لپٹنے لگے۔ بڑے سرکار کے ہاتھ میں شکاری چاقو تھا اور کلائی کو ہولے ہولے بل دے کر وہ اس کا دوپٹہ لپیٹ رہے تھے۔

"بہت ڈر لگ رہا ہے ؟" انھوں نے اس کے اُوپر جھک کر پوچھا اور چاقو کی نوک سے اس کے گریبان کا بٹن چھوا۔ ہولے سے انھوں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور ہتھیلی پر چاقو کی دھار رکھ دی۔ مگر چاقو اس کی ہتھیلی کے پار ہونے کے بجائے اس کی کلائی پر رینگنے لگا پھر بازو پر سے ہوتی ہوئی اس کی نوک نرخرے پر ٹھٹک گئی۔

چاندنی کی روح تک برف کی دھار اُتر گئی۔ وہ آنکھیں جھپکائے، سانس روکے کھڑی رہی۔ چاقو پھرتی سے مڑا اور گریبان کا پہلا بٹن کٹ کر سیڑھیوں پہ پنگ پنگ کرتا نیچے اُتر گیا۔

ایک ایک کر کے سارے بٹن ہوا کے اشارے سے کٹ کر گر گئے۔ بغیر سسکی بھرے لمبے لمبے آنسو امڈ امڈ کر گالوں پر بہتے رہے۔ بے کسی سے لٹکے ہوئے ہاتھوں کی ساری طاقت سلب ہو چکی تھی۔ چاقو کی سرد نوک عین اس کے دل کی دھڑکن پہ آکر ٹھٹک گئی۔ آگ کا ایک بر ما اس کی طرح

کی گہرائیوں کو چیرتا ہُوا دھنسنے لگا، دماغ میں خاموش دھماکے چھوٹنے لگے۔

اس سے پہلے کہ جوالامکھی پھٹ پڑتا اور وہ اس میں بھسم ہو جاتی گھوڑا چھوٹ کر لان پر طوفان مچانے لگا اور ایک دم جیسے دنیا جاگ پڑی۔ چاندنی شل ہو کر سیڑھیوں پر سرنگوں ہو گئی۔ اس نے دیکھا بھی نہیں کہ بڑے سرکار کدھر غائب ہو گئے۔ وہ تھے بھی وہاں یا ان کا بھوت تھا، یا خود اس کے پریشان دماغ کا تراشا ہُوا چھلاوا تھا جو دم بھر میں گم ہو گیا!

وہ کس سے کہے؟ اور کیا کہے؟ ایک چیونٹی ایک جہان دیوتا کے خلاف کیسے زبان کھول سکتی ہے؟ کون ہے اس کو گواہ اور کون وکیل؟ بھوانی کی گوٹیاں تھی، اس پہ جان چھڑکتی تھی مگر کیا وہ بڑے بھیا کی شان میں یہ گستاخی برداشت کر سکے گی؟

بڑے سرکار اس سے نفرت کرتے ہیں کیوں کہ وہ ڈرتے ہیں کہیں چندر اس سے ناطہ جوڑ کر ٹھاکروں کے خاندان کو داغ نہ لگا دے وہ نیچ ہے، کسی کے پاپوں کا پھل ہو گی تبھی تو اسے کوڑے پر پھینک دیا گیا۔

ایک بار پھر ایک گولی سی اس کی چھاتی پر لگی: سامنے ہال میں بڑے

سرکار کی تصویر سنہری چوکھٹے میں جگمگا رہی تھی، اس کے سامنے پھول اور عود دان میں بجھے ہوئے کوئلے پڑے تھے۔ روز شام کو اوشا رانی اس تصویر کے سامنے تازہ کلیاں چن کر ڈالتی تھیں اور سارے کمرے میں دوب گھما کر عود دان تصویر کے قدموں میں رکھ دیتی تھیں۔

اس کا جی چاہا ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر تصویر پہ کھینچ مارے۔ غصے اور نفرت سے اس کا منہ سوکھ گیا، جیسے حلق تک راکھ اٹ گئی ہو۔

ایک دم اسے معلوم ہوا جیسے تصویر مسکرا رہی ہے، زہر بھری آنکھیں ناچ رہی ہیں۔ وہ پلٹ کر بھاگی اور سیڑھیوں سے اترتے ہوئے چندر سے ٹکرا گئی۔

"کیا ہے جی۔" چندر نے اسے سنبھال لیا۔

"ہائے چندر جی۔" وہ اس کی چھاتی پہ ہونٹ رکھ کر پھوٹ پڑی۔ چندر نے فوراً موقعے سے فائدہ اٹھا لیا۔ اس کے پیار میں اتنا لطف، اتنی مٹھاس تھی کہ چاندنی پگھل گئی۔

"ہے رام! چندر و مجھے کھا لے، سموچا کھا لے۔" وہ پیار کی شدت سے تڑپ اٹھی۔ چندر کے قرب سے اس کے دماغ میں چنگاریاں پھوٹنے لگتیں تھیں، تب اسے چندر پہ غصہ آنے لگتا تھا۔ ایک ہی وقت میں اس میں سما جانے اور اس سے دور بھاگنے کا جذبہ ابھی اس کے قابو میں نہیں آیا

تھا۔ پندرہ سال کی چاندنی زندگی کے بہت سے سوالوں کا جواب نہ پاکر
خوف زدہ رہ جاتی تھی۔ ایک انجانا خوف اسے چندر کے قرب کی لذت
سے دور بھاگنے کی ترغیب دیتا۔ اور جب درمیان میں فاصلہ حائل ہو
جاتا تو جی سسکنے لگتا۔

ذراسی دیر میں چندر نے اسے ہنسا دیا۔ تھوڑی دیر پہلے کی سہمی ہوئی
بچی دم بھر میں مغرور حسینہ بن کر اترانے لگی۔ ہرنی کی طرح بھاگتی، قہقہے لگاتی
وہ لان پر سے کاوے کاٹتی برآمدے پر چڑھ گئی۔ اندر ڈرائنگ روم
میں اندھیرا تھا۔ دریچوں میں سے دھندلی روشنی چھن رہی تھی۔
چندر ایک گملے سے الجھ کر گرا اور وہ قہقہے لگاتی گیلری کی طرف بھاگنے
لگی۔ مڑ کر اس نے دیکھا، چندر کے قدموں کی چاپ سے اسے اندازہ ہو
گیا کہ اب راہِ فرار نہیں، وہ ضرور پکڑے گا۔ جونہی وہ زینے کی طرف
جانے کے لیے پلٹی دو فولادی ہاتھوں نے اسے جکڑ لیا۔ اس نے اپنے
ہونٹوں پر سلگتا ہوا لمس محسوس کیا اور سن سن کرتا ہوا زہر اس کے
وجود میں ڈوب گیا۔ نیچے — نیچے وہ تہہ میں جا لگی۔ اب کبھی سانس واپس
نہ آئے گی۔ دور چندر کے قدموں کی آواز کھوتی جا رہی تھی۔ چندر —
چندر مان — تن من کا زور لگا کر وہ تہہ سے ابھری اور بھاگ کر چندر
کے سامنے منہ کے بل گر گئی۔

سودائی

"ارے کیا ہوا؟" وہ اس کی کھلی بندھی دیکھ کر ڈر گیا۔

"وہ۔ وہ۔" اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور آواز حلق میں گھٹ رہی تھی۔

"کیا ہے پگلی؟" چندر نے گیلری میں جاکر دیکھا۔ ستون سے سہارا لیے بڑے سرکار کھڑے تھے، ان کے چہرے کا بھیانک پن دیکھ کر چندر خود ڈر گیا۔

"ارے بڑے بھیا۔ کیسی پگلی ہے چاندنی، آپ کو دیکھ ڈر گئی!" چندر کھسیانی ہنسی ہنس کر بولا اور جلدی سے چاندنی کو اپنے سے دور ڈھکیل دیا۔ پھر بدھوؤں کی طرح سر کھجانے لگا۔ دوسرے ہاتھ میں سگریٹ تھی، جھٹ جیب میں ڈال کر مسل دی۔

چاندنی نے کچھ کہنا چاہا پھر چندر کے احمق چہرے کو دیکھا اور سسکیاں بھرتی بھاگی۔ چندر بھی کترا کر جانے کو مڑا تو بڑے سرکار نے بڑی گمبھیر آواز میں پکارا: "چندر"

"جی۔" چندر اچھل پڑا۔

"مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔ مہربانی سے میرے ساتھ آؤ۔"

چندر ان کے لہجے کی سختی سے لرز اٹھا مگر چپ چاپ بھیگی بلی بنا ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔

"بیٹھو" بڑے سرکار نے اشارے سے کہا اور بے چینی سے ٹہلنے لگے۔ چندر کے پسینے چھوٹ رہے تھے، جی چاہ رہا تھا چپکے سے کھسک لے پھر کئی دن صورت نہ دکھائے۔ اتنے دن میں بڑے سرکار سب بھول بھال جائیں گے۔

ٹہلتے ٹہلتے وہ ایک دم رک گئے اور چندر کو ایسے گھورنے لگے جیسے سموچا نگل ہی تو جائیں گے۔

"یہ لیجیے۔" انھوں نے ایک جھٹکے سے سگریٹ کیس پیش کیا۔

"جی ــ جی نہیں ــ" چندر اچھل پڑا۔

"خیر، آپ کی مرضی، شاید چوری چھپے پینے ہی میں زیادہ لطف ہے۔" جب بڑے بھیا کو بہت غصہ آتا تھا تو وہ آپ جناب پر اتر آتے تھے۔

"تم چاندنی سے محبت کرتے ہو؟"

"جی ــ جی ــ نہیں ــ جی ــ" چندر کی گھگی بندھ گئی۔ وہ اس قدر شدید حملے کے لیے تیار نہ تھا۔

"جھوٹ بول کر ہمیں بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کرو" وہ گرجے۔ تمھاری حرکتیں ضرورت سے زیادہ ناقابلِ برداشت ہوتی جا رہی ہیں۔ غصے میں ایک اور بھی حرکت کرتے تھے، یعنی انگریزی میں

ڈانٹتے تھے۔

چندر کا سر اور نیچے جھکتا جا رہا تھا۔ بڑے بھیا فراٹے سے لکچر جھاڑ رہے تھے۔ چاندنی سے محبت کرنے کا الزام کوئی نئی بات نہ تھی: بھوا اسے مستقل چھیڑا کرتی تھی، ماسی بھی طعنے دے چکی تھی اور اوشا دیدی نے تو جیسے بات ہی پکی کر دی تھی۔ مگر وہ ہمیشہ ہنس کر کے ٹال دیا کرتا تھا۔

شادی کی ضرورت اس نے ابھی تک محسوس نہیں کی تھی۔ مگر بڑے بھیا کے منہ سے یوں پھٹ سے سن کر اوسان خطا ہو گئے۔

"میں نے کیا غلطی کی ہے چندر۔"

"جی ؟" چندر نے بے رہیانی میں قطعی نہیں سنا کہ بھیا جی کیا کہہ رہے تھے۔

"کیا آج تک میں نے کوئی حرکت کی ہے جس سے تمہیں یا پرمیلا کو یا گھر کے کسی بھی فرد کو نقصان پہنچا ہو۔"

"جی نہیں بڑے بھیا۔"

"کیا میں نے ایمان داری سے اپنا فرض پورا نہیں کیا؟ کیا تمہارے ساتھ کچھ ناانصافی کی ہے؟ میں نے تمہیں شکایت کا کون سا موقع دیا ہے؟"

"نہیں، کبھی کوئی ناانصافی نہیں کی بڑے بھیّا۔"

"تو پھر تم مجھے کس جرم کی سزا دے رہے ہو؟"

"میں؟ میں تو بڑے بھیّا۔" چندر منمنایا اور بھاگ نکلنے کے پینترے سوچنے لگا۔

"تم جانتے ہو تمہاری اس نیچ حرکت کا خاندان پر کیا اثر پڑے گا؟ دنیا کیا کہے گی؟ تم — اسے چاہتے ہو، جھوٹ مت بولو۔ وہ تمہارے دل و دماغ پہ آسیب بن کر چھا چکی ہے، تمہارے ہوش حواس گم ہو چکے ہیں اور تم جال میں پھنسی ہوئی مچھلی کی طرح تڑپ رہے ہو اور کچھ نہیں کر سکتے۔ ایک حقیر چیونٹی نے پہاڑ کو اپنے قدموں میں جھکا دیا ہے۔ تم جانتے ہو تم کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟ تم سوریہ ونشی ہو اور وہ — وہ ایک گمنام نیچ چھوکری جس کے ماں باپ کا پتہ نہیں، جو شاید کسی بے شرم انسان کے پاپوں کا پھل ہے؛ تم اس سے بیاہ کر کے خاندان کے نام پر داغ لگانا چاہتے ہو! تم اندھے ہو گئے ہو، تم نہیں جانتے اس کا کیا انجام ہوگا۔ تم پاگل ہو جاؤ گے — پاگل — پاگل۔"

ایک دم بڑے سرکار خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئے۔ ان کے منہ سے جھاگ نکل رہی تھی اور وہ آئینے کے سامنے کھڑے خود اپنے آپ کو چٹخار بھیج رہے تھے۔ سہم کر انھوں نے چندر کی طرف دیکھا۔

مگر کرسی خالی تھی۔ چندر نہ جانے کب بھاگ گیا اٹھ کر۔

"اوہ بھگوان!" وہ سر پکڑ کر وہیں بیٹھ گئے۔ "مجھ سے کون سی چوک ہو گئی جس کی اتنی کڑی سزا دے رہے ہو۔" نہ جانے کب تک اکیلے وہ اپنے ذہن کے لگائے ہوئے زخموں کی آگ میں پڑے جھلستے رہے، تڑپتے رہے۔

بلتے جلتے خون کی ایک لہر بڑے سرکار کے دماغ سے ٹکرائی، ان کے ہاتھ میں قلم کانپنے لگا اور آنکھوں کے آگے سرخ سرخ بگولے ناچنے لگے۔

"تم — تم اسے پسند کرتے ہو؟" انہوں نے گھٹی ہوئی آواز میں منشی سے پوچھا۔"

"جی — جی سرکار، لونڈیا ہے تو ٹپاخہ، دہائی ہے کلیجے پر چوٹ لگتی ہے۔ اور پھر حضور میں نے سرکار کا نمک کھایا ہے، اگر آپ میری کھال کی جوتیاں بنا کر پہنیں تو بھی میرے بھاگ جھوٹے سرکار بالکل ہی قابو سے باہر ہوئے جا رہے ہیں۔" انھوں نے [illegible] کے کاغذات دستخط کے لیے سامنے رکھتے ہوئے کہا "آپ کی پریشانی بھی دور ہو جائے گی اور میں —" منشی جی منہ ہی منہ میں [illegible]

"اور تم — بڑے سرکار کی گردن کی رگیں سلاخوں کی طرح تن گئیں، تلوے سنسنانے لگے اور نتھنے پھول گئے۔

”جی ہاں سرکار! اکیلی جان کب تک گھسیٹوں! دو چار سال میں جوان بیٹھی ہو جائے گی تو مصیبت ہو جائے گی۔ ماسی جی کی تو ابھی سے نیندیں اچاٹ ہو گئی ہیں۔ کوئی ایسی ویسی بات کر بیٹھے چھوٹے سرکار تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ ان کا بھی کیا دوش، لڑکی ہے ہی آفت کی پرکالہ۔ بڑے بڑوں کے چھکے چھڑا دے سرکار، پھر وہ تو نادان ہیں۔ اسی لیئے میں نے سوچا میں کس دن کام آؤں گا؟ ہاں سرکار رام جانے جنگلی ہے کہ جنور کی! مگر حضور کے ٹکڑوں پر پلا ہوں میرا کیا ہے۔“

”تم اس سے۔ شادی کرنا چاہتے ہو؟“

”جی ہاں، فتنہ ختم ہو جائے گا؛ کسی کو کچھ کہنے سننے کی ہمت بھی نہ رہے گی۔“

”تمہیں۔ تم اسے پسند کرتے ہو؟“ بڑے سرکار نے دانت پیسے، ان کی آنکھوں میں بھوت ناچنے لگے، پتلیاں چڑھ گئیں، ہونٹ بھنچ گئے۔ ایک دم منشی جی کی ہنسی ہونٹوں پر جم گئی، وہ گھگیا کر پیچھے ہٹے مگر بپھرے ہوئے شیر کی طرح ایک جست میں بڑے سرکار نے ان کا ٹینٹوا پکڑ لیا۔

”حضور خطا ہوئی، سرکار!“ تڑپ کر منشی جی ان کی گرفت سے نکل گئے؛ اور وہیں پیروں پر سر ٹکا کر گڑگڑانے لگے۔ ایک دم سہم کر بڑے سرکار پیچھے ہٹ گئے۔

"سمجھا، سمجھا سرکار۔ مجھے کیا معلوم تھا۔" منشی جی نے دھوتی سمیٹ کر کھسکتے ہوئے ہاتھ جوڑے۔

"کیا نہیں معلوم تھا؟" بڑے سرکار پلٹ کر پھنکارے۔

"کچھ نہیں حضور، کچھ بھی تو نہیں۔"

"تو کیا سمجھتا ہے پاجی؟"

"کچھ نہیں سرکار، میں تو کچھ نہیں سمجھا۔ بھلا میں کیا سمجھوں گا؟ میں — میں —"

منشی جی اٹھ کر پشتم پشتم بھاگے اور باہر کھڑی ہوئی اوشا رانی سے ٹکرا گئے۔

"ارے تیرا ستیاناس۔" انھوں نے دھوتی کی لانگ کو گالی دی جو ان کے پیروں میں الجھ رہی تھی۔ "رام رام، ہے شری رام، پینٹ ڈھیلے کر دیے تر دئی نے۔"

منشی جی کی صرف انھوں نے ٹھکائی دیکھی، ایک دم جی خوش ہو گیا اور ہنس کر بولیں:

"ارے منشی جی تمھارا دماغ خراب ہو گیا ہے، تمھاری موت آئی ہے کہ بڑے سرکار کے منہ آنے لگے؟"

"ایسی کم تیسی منہ آنے کی۔ رام رام، حد ہو گئی! کیا کلجگ ہے۔

بھگوان ۔ اب تو سادھو سنت کا بھی کوئی بھروسا نہیں، رام قسم کوئی بھروسا نہیں ۔"

"ارے تو بات کیا ہوئی ؟ بڑے سرکار نے آج تک کسی کو انگلی تک نہ چھوائی، کوئی ایسی ہی بات اس نکمے نے کہہ دی ہوگی جو یوں دھیرج کھو بیٹھے ۔"

"بات کیا ہوتی تمھارا سر" منشی جل گئے ۔

"اچھا بس بوریا بستر باندھو اور چلتے پھرتے نظر آؤ ۔"

"ارے مر گئے بستر بوریا بندھوانے والے ۔ میں کہوں اب تم اپنی خیر مناؤ ۔ پٹ رانی بننے کے سارے سپنے بھول جاؤ ۔ رانی وانی تو کیا گھر میں سر چھپانے کو جگہ بھی مل جائے تو بہت سمجھنا ۔"

"چلو نے کیا بکسا رہے ہو پاگلوں کی طرح ۔"

"بکسا نہیں رہا ہوں رانی، میری مانو تو اب خیر مناؤ ۔ ارے وہ تیرے مائی باپ، جو کریں سو تھوڑا، مگر سچ کہتا ہوں بس کا کانٹا ہے لونڈیا ۔"

"کون لونڈیا ؟"

"ارے بابا مجھ سے مت پوچھو، آنکھیں ہیں تو خود دیکھ لو ۔ ہے بھگوان آثار اچھے نہیں ۔ سارا کنبہ انٹ سنٹ ہو جائے گا، بڑے زوروں کی مہا بھارت ٹھنے گی، بھائی بھائی کو کھا جائے گا ۔"

"اُدھنا، سڑی ہو تم تو"۔ ادشارانی جل کر اندر چلی گئی۔

بڑے سرکار پسینے میں شرابور میز پر سر دھرے بے دم بیٹھے تھے۔ گھٹی گھٹی سسکیوں سے ان کا سارا جسم لرز رہا تھا۔ یوں ایک باوقار مرد کو ٹوٹتے ہوئے کھلونے کی طرح بکھرا دیکھ کر ادشارانی دہل گئیں، نہ جانے کب کی سوئی ہوئی ممتا جاگ پڑی، جی چاہا ان کا غم سے بھاری سر اٹھا کر اپنی چھاتی سے لگالے مگر شرم نے روک دیا۔

اس کی آہٹ سن کر بڑے سرکار نے سر اٹھایا۔ ان کی آنکھوں میں دکھ اور ناچاری کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا، ہونٹ بچے ہوئے سوتے بچے کی طرح لرزنے لگے، دھتکارے ہوئے بھکاری کی طرح انہوں نے ادشا کو دیکھا اور تڑپ کر رہ گئے، ان کا جی چاہا ادشا کے پیروں پر سر پٹخ دیں اور کہیں:

"ادشارانی مجھے بچاؤ۔ اس بھیانک غار کے اژدہوں سے مجھے بچالو۔ ایک بار درد سے پھٹتی ہوئی پیشانی پر اپنے پونتر ہونٹ رکھ دو، سارے گناہ دھل جائیں گے۔"

مگر بڑے سرکار نے اپنے زخم چھپانا سیکھا تھا! جہاں وہ پہنچ چکے تھے وہاں نہ کوئی ہمدم تھا نہ ہمراز، بس وہ تھے اور اکیلاپن۔ ایک دم انہیں اپنی پوزیشن کا خیال آگیا، غرور سے گردن اکڑ گئی، بڑی گمبھیرتا

سے بولے: "کیا ہے؟"

"منشی جی کے لیے کیا حکم ہے؟"

"منشی جی؟ منشی جی کو گرم کپڑوں کے لیے دو سو روپے دے دو۔"

"مگر۔" اوشا رانی دھک سے رہ گئیں۔

"گوپال سے کہو چائے ٹیرس پر لے آئے۔" انھوں نے نہایت بے رخی سے کہا۔

"یہ — یہ — منشی جی۔"

"کیا کہنا چاہتی ہو منشی جی کے بارے میں؟"

"جی وہ۔"

"کیا تمھیں میرے رویّے سے دکھ ہوا؟" وہ بڑی رکھائی سے بولے، "اگر ایسا ہے تو مجھے بڑا افسوس ہے۔ میرا خیال تھا کہ تم انھیں پسند نہیں کرتیں۔"

"جی ہاں۔"

"مگر معلوم ہوتا ہے میں غلطی پر تھا۔" بڑے سرکار نے ایکٹنگ شروع کر دی۔

"میں — میں سمجھی نہیں۔"

"وہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہے، تمھیں منظور ہے تو۔"
"نہیں" اوشا رانی نے آنسو روک کر کہا۔
"لیکن اگر تم چاہو تو۔" انھیں اوشا رانی کو دکھ دے کر بڑا مزا آتا تھا، جیسے خود ان کے دکھوں کا مداوا ہو جاتا تھا۔
"ہرگز نہیں۔" اوشا رانی رو پڑیں۔
"اوہ، یہی سمجھ کر میں نے انہیں ڈانٹ دیا، مگر کچھ زیادہ غصہ آگیا۔"
"آپ نے بہت اچھا کیا۔" اوشا جوش سے بے قابو ہو کر بولی۔
"نہیں ہم نے بالکل بہت اچھا نہیں کیا، تمہاری شادی میں الجھن ڈالنے کا ہمیں کوئی ادھیکار نہیں۔" پھرا پھرا کر بڑے سرکار اوشا کو مغالطے میں ڈالتے رہے۔ اوشا رانی کانٹا نگلی ہوئی مچھلی کی طرح تڑپتی رہیں بالکل فٹ بال کی طرح وہ اس کے جذبات سے کھیلتے رہے۔ یوں کسی کو تڑپا کر وہ شاید اپنے تڑپنے کا انتقام لینا چاہتے تھے۔
"روپے کیش دے دو اور یہ کاغذات بھی لیتی جاؤ۔ کہہ دو جو مناسب ہے کریں، میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں، ذرا سی بات پر غصہ آجاتا ہے۔ جب جی بھر گیا تو انھوں نے بڑی لاپرواہی سے اوشا کو ٹال دیا۔
"ہے بھگوان! میرے یہاں نا جانے کتنے مہمان ہیں۔ ہائے کوئی نوکر

کو مار کر بھی یوں پچھتاتا ہوگا!! اور وہ منشی جیسا سؤر لو کہ جس کے منہ میں لگام ہی نہیں۔''

اندر حسب او شارانی منشی جی کے بارے میں بڑے سرکار سے حکم لانے گئی تھیں تو منشی جی ٹلے نہیں تھے، دروازے پہ کان لگائے کھڑے تھے۔ بڑے سرکار کا فیصلہ سن کر انھوں نے فضا کو ایک موٹی سی گالی دی اور آپ ہی آپ مست ہو کر ناچ اٹھے۔ اوشا باہر آئیں تو انھوں نے بڑی سنگین صورت بنا کر کہا:

''رانی جی ہماری سزا؟''

اوشا نے ایک قہر آلود نگاہ ان پہ ڈالی اور بھنّا کر چل دیں۔

منشی جی ہر دم اوشا کی جوانی میں گھن لگنے کا ماتم کیا کرتے تھے۔ خود بھی کنوارے تھے اور زندگی کے سونے پن کا مزہ جانتے تھے۔ بڑے سرکار کے ہم سِن تھے۔ آگے ناتھ نہ پیچھے پگا۔ کبھی کسی نے شادی میں دلچسپی ہی نہ لی۔ ساری عمر کی کمائی کوڑی کوڑی جمع تھی۔ اوشا رانی کو دور ہی دور سے تاڑ لیا کرتے تھے مگر ایک دن بڑے سرکار کی باتیں سن کر ہمّت بڑھ گئی۔

ماسی حسب معمول ان کی آرتی اتارنے کے بعد تھالی نوکرانی کو سنبھلا کر وہیں بیٹھ گئیں اور بولیں:

"بٹیا اوشا رانی کی عمر نکلی جا رہی ہے، میرے لال اس کی لگن کا کچھ سر بندھ کردو۔"

"ضرور ضرور، دیر نہ کرنا چاہیے۔ آپ کا اپنا گھر ہے، جیسے من چاہے کیجیے۔ لڑکا کیسا ہے؟ کتنا جہیز مانگتے ہیں؟ پیسے کا منہ نہ دیکھیے گا، بر اچھا ہونا چاہیے۔"

"مگر۔ مگر بٹیا۔ تمہاری ماں کو بڑا ارمان تھا کہ وہ گھر ہی میں رہے۔" چاچی نے گھگیا کر کہا۔

"تو میں کب کہتا ہوں گھر میں نہ رہے۔ دکھنی اور کے سارے کمرے خالی ہی پڑے ہیں، بڑے شوق سے گھر جوائی ہی رکھیے۔ کیا کرتا ہے لڑکا؟"

چاچی سے برداشت نہ ہو سکا، پھوٹ کر رو پڑیں۔

"بٹیا تم ہی ہو اوشا کے سب کچھ، میں تو تمہاری آس لگائے بیٹھی ہوں۔"

"اوہ، چاچی مجھ سے بڑی بھول ہوئی۔ اور دیکھیے نا میں تو اس قدر نکما واقع ہوا ہوں نہ کسی سے ملنا نہ جلنا۔ اوشا رانی کے لیے بر ڈھونڈنا معمولی بات نہیں، اچھا نیک آدمی ہونا چاہیئے۔ اچھا چاچی منشی جی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

بڑے بھیّا اس صفائی سے کترا کر نکل گئے کہ چاچی ہکّا بکّا رہ گئیں۔
"منشی؟ یہ نگوڑا دو کوڑی کا گنوار! کیا یہی میری بچی کے نصیب کا
رہ گیا ہے؟ اس سے تو کنوئیں میں نہ جھونک دوں؟ میری لکشمی سمان
بیٹی جس کے چرنوں میں جائے گی اُس کے بھاگ جاگ اٹھیں گے۔ بٹیا
اوشا کو اس گھر سے جو لگاؤ ہے وہ کسی سے چھپا نہیں۔ کیا گھر کو بنایا
سنوارا ہے۔ یہی اس کا گھر ہے، اس لیے بٹیا۔"

"جانتا ہوں چاچی۔ اچھا آپ فکر نہ کیجیے بھگوان نے چاہا تو سب ٹھیک ہو
جائے گا، ذرا بوائی ختم ہولے۔ اس سال بارش کے کچھ اچھے تیور نظر نہیں
آتے۔ ارے منشی جی؟" انھوں نے بات کو پھر کمبل میں لپیٹنا شروع کیا۔
منشی جی، جو کھڑے کن سوئیاں لے رہے تھے، فوراً لپکے:
"جی سرکار!" انھوں نے بالکل دولہاؤں کی طرح شرما کر کہا۔
"ذرا دیکھیے تو وہ نیا ٹریکٹر ٹھیک سے کام نہیں کرتا۔ مالی کمبخت
بڑا گاؤدی ہے، اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا ہے، بڑا سست ہے۔"
"سست نہیں، سرکار ڈرتا ہے۔ کہتا ہے دھرتی کی چھاتی اتنا
بھار سہارے گی تو پھر کلے کیسے پھوٹیں گے۔"
"کیا بکواس ہے۔ اور ہل بیل میں بوجھ نہیں ہوتا؟ احمق کہیں کا۔
منشی جی۔"

سودائی

"جی سرکار!"

"تمہاری نظر میں کوئی لڑکا ہے؟"

"جی سرکار، لڑکا؟ اوپر کے کام کے لیے؟" منشی جی چکرا گئے۔

"ہاں نہیں، اوپر نیچے کے کام کے لیے نہیں، شادی کے لیے۔ اوشا رانی۔"

چاچی نے پوری بات نہ سنی اور دھم دھم کرتی چل دیں۔ بڑے سرکار کا جی کھل اٹھا، اطمینان کی سانس لے کر مسکراہٹ کو چھوٹ دے دی۔ مگر منشی جی کو مسکراتا دیکھ کر ایک دم روکھی خرانٹ شکل بنا لی: "فرمایے؟"

"جی۔ جی سرکار!" منشی جی ٹپٹائے۔

"کیا کام ہے؟"

"جی، وہ حضور نے ہی تو بلایا تھا۔"

"اوہ، میں نے بلایا تھا تو اس کے یہ تو معنی نہیں کہ ایک بار آنے کے بعد آپ مستقل میرے سر پہ ہی ڈٹے رہیں۔ چہ خوب!"

منشی پٹے ہوئے کتے کی طرح ریٹا۔ بڑے سرکار اسی میں بڑائی سمجھتے تھے۔ ہر کسی کو نیچا دکھانے کے بعد وہ خود کو بہت اونچا سمجھنے لگے تھے۔ دنیا کو پیروں تلے مسل کر ہی انسان بلند ہوتا

ہے! ان کے دل میں چاچی کی طرف سے کدورت بھر گیا تھا۔ چاندنی سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں تھی، یوں نہیں انہیں عورت بغیر زندگی بنجر لگنے لگی تھی، سوچا اور شارانی نہیں تو یہ لونڈیا ہی سہی۔ تھی تو ملیچھ، گھورے پر دیویوں کے نیچے نہیں پڑے ملتے، مگر خیر تھی عورت ذات۔ مگر آج کے واقعے نے تو ان کے شبہات کو پختہ کر دیا۔

"ہائے رام! نہ جانے کیا! ہونے والا ہے اس حویلی میں۔ کیا سورج اور چاند ٹکرائیں گے؟ بڑے زور کا دھماکہ ہوگا۔ یہ لڑکی ضرور منیکا کی بھانجی بھتیجی رہی ہوگی جو وشوامتر سمان بڑے سرکار کے تپ کا سروناش کرنے آئی ہے۔ کہاں وہ دیوتا اور کہاں یہ کلنکنی! ہا ہا"

"دہت تیرے دیوتا کی ایسی تیسی۔" انھوں نے ادھر ادھر دیکھ کر منہ ہی منہ میں جلنے کڑھنے کے بہت ساری مغلظات سنا ڈالیں: چاچی کو، بڑے سرکار کو اور زندگی کی پھیکی سیٹھی تنہائی کو!

"نہیں نہیں پتورانی مجھے شرم آتی ہے۔"

"ہٹ پگلی، شرم کا ہے کی" پتو نے چاندنی کا پیار سے سر ہلا کر کہا۔

"مگر میرے جنم دن کا کوئی پتہ بھی تو نہیں۔"

"بس جس دن تو ہمیں ملی تھی وہی تیرا جنم دن ہوا۔ یاد بھی نہ ہوگا تجھے اور شادیدی نے کیسے جھا جھم کپڑے سیے تھے تیرے لیے۔ تب سے کوئی سال ایسا نہیں گزرا جو تیرا جنم دن نہ منایا گیا ہو۔ پھر اب کیوں نخرے کر رہی ہے؟"

"بس اچھا نہیں لگتا۔ میرے ساتھ کتنا سلوک ہوا ہے، کیا وہ کچھ کم ہے؟"

"چاندنی تو بڑی ذلیل ہے، ہر وقت پالنے کا طعنہ دیا کرتی ہے۔ آخر تجھے بھی تو اسی گھر میں پالا گیا ہے۔ چندر اور میں تو ہر وقت پالنے کا رونا نہیں روتے۔"

"تم تو اس گھر کی ستیاناس ہو۔"

"اور او شادیدی۔؟"

"سو تو اتنے بچپن سے دس جانوں جتنا کام کرتی ہیں، میں نکمی ہوں۔"

"وہ کام کرتی ہیں تو کس پر احسان کرتی ہیں۔ بڑے بھیّا سے ان کی شادی ہونے کے بعد وہ بالکل ہی مالکن بن جائیں گی۔"

"ہاں، رام کرے ان کا جلدی سے بڑے سرکار سے بیاہ ہو جائے۔" چاندنی گڑگڑا کر دعا مانگنے لگی۔ "میں تو روز گوری میّا کے آگے ماتھا ٹیک کر یہی پرارتھنا کرتی ہوں۔"

"اور اپنے بیاہ کے لیے پرارتھنا نہیں کرتی۔ اچھا ٹھہر جا جھوٹ بھیّا سے کہوں گی چاندنی رتی بھر پریم نہیں کرتی۔"

"ارے واہ، کرتی کیوں نہیں۔"

"رام رام، کیسی نربج ہے نگوڑی میرے ہی سامنے کیسے منہ پھاڑ کر کہہ رہی ہے کہ میرے بھیّا پر مرتی ہے۔"

"چل ہٹ، میں کیوں مرتی ہوں؟"

"مگر وہ تو مرتا ہے تیرے پہ۔"

"دیکھو ممّو مجھے نہ ستائے جا۔ اپنی کہو، دن دن بھر بیٹھ کر پرکاش جی کو چٹھیاں لکھی جاتی ہیں تو۔"

"اونہہ، سات سمندر پار والوں کا کیا بھروسہ۔ او ہیں کسی سے دل لگا بیٹھے تو؟" پموّ کی پچھلے سال ایک ڈاکٹر سے منگنی ہو چکی تھی جو انگلینڈ گیا ہوا تھا۔ "ہٹا میرے قصے کو، تو نے چھوٹے بھیا کو ہار کے لیے یاد دلایا؟"

"ارے وہ بیچارے کہاں سے لائیں گے؟ رام جانے کتنا مہنگا ہوگا۔"

"تو کیا ہُوا، اس کی گھر والی کے پاس تو رہے گا۔"

"دیکھ مجھے مت ستا۔ میں رو دوں گی پموّ۔"

"کیوں؟ چندا کی چاندنی کہاں جائے گی اور۔"

"مر جائے گی کمبخت۔ چاندنی منہ اوندھا کر پڑ گئی۔

مگر چندر بوکھلایا پھر رہا تھا۔ ڈھائی سو کے ہار کی فرمائش پوری کرنا کھیل نہ تھا۔ مگر جائیداد میں اس کا بھی تو حصّہ تھا۔ بھیا انکار تھوڑی کر دیں گے! مگر چاندنی کے لیے مانگتے اسے شرم آ رہی تھی۔ اس نے اوشا دیدی سے مانگے، ان کے پاس مشکل سے سو نکلے۔ پچاس ساٹھ خود اس کے پاس پڑے تھے۔ ڈیڑھ سو سے کام نہیں چلے گا، مجبوراً بڑے بھیا کے پاس جانا پڑا۔

"بھیا کچھ پیسے مل جائیں گے؟" اس نے ان کی پیٹھ کے پیچھے کھڑے

ہو کر پوچھا۔

"پیسے؟"

"جی روپے۔"

"کتنے روپے۔"

"یہی دو ڈھائی سو۔"

"ایسی کیا ضرورت آن پڑی۔"

"وہ میں نے ٹینس کا ریکٹ منگوایا ہے، بلٹی چھڑانا ہے۔۔ ابا۔"

بڑے سرکار چندر کے جھوٹ پر تلملا گئے۔ انھوں نے اپنے کانوں سے ہار کے بارے میں کھسر پھسر سنی تھی۔ پمّو کہہ رہی تھی اگر میں نے ہار لاکر نہ دیا تو چاندنی اس سے عمر بھر بات نہ کرے گی۔ خیر عمر بھر کی بات تو دور رہی اگر چند دن کو بھی یہ ہنسی اور قہقہے، یہ لوسے کھنڈوں کی چوما چاٹی میں اڑچن پڑ جائے تو برا نہیں۔

"میرے پاس تو دس بارہ روپے پڑے ہیں، اب بینک بھی بند ہو گیا۔" انھوں نے رکھائی سے جواب دیا۔

چندر پسینہ پونچھتا بھاگا۔

اس کے جانے کے بعد وہ بڑے اطمینان سے اٹھے۔ ان کے روپیوں کی گڈیاں سیف میں اٹا اٹ بھری تھیں۔ موٹی سی نوٹوں کی

گڈی جیب میں ڈالی اور بینٹ ہلاسے پروقار انداز میں باہر نکلے۔ ڈرائیور سے موٹر نکلوائی اور چل دیے۔

چندر سر پکڑ سیڑھیوں پر بیٹھ گیا۔ کیا کرے؟ پمّو تو کوڑی نہ دے گی، بہت دنگا کرے گی۔ پھر چاندنی کو پتہ چل جائے گا کہ وہ چندہ کر کے ہار لا رہا ہے تو روٹھ جائے گی۔ ویسے وہ تو خود منع ہی کرتی رہی، پمّو نے ہی زور ڈالا کہ چاندنی کے پاس کوئی سچّا زیور ہی نہیں، پمّو یا اوشا دیدی زبردستی تیج تہوار پر پہنا دیتی ہیں تو ان کا زیور پہن لیتی ہے۔ اسے ایسا پمّو نے چڑا ا کہ وہ بھی مردانگی دکھانے پر تُل گیا؛ اب اگر ہار نہ آیا تو بڑی بھد ہوگی۔

پمّو بن سنور کر ڈانس ماسٹر کے ہاں جا رہی تھی، چندر نے اسے سیڑھیوں پر پکڑ لیا:

"ارے پمّو جی آج تو کمال کر دیا۔"

"کس نے؟"

"جادوگر نے۔"

"جادوگر؟"

"ہاں جی، کالج میں آیا تھا، میں نے اس سے سیکھ لیا۔"

"اچھا؟" پمّو چلنے لگی

"جادو دیکھے گی؟"

"نہیں بابا۔"

"کیوں گدھی؟" چندر بگڑنے لگا۔

"ارے بھئی ہمارا تانگہ کھڑا ہے دیر ہو جائے گی۔"

"بس دو منٹ میں۔" پمّو کو اس نے گھسیٹ کر سیڑھی پر بٹھالیا۔

"چل، نوٹ نکال۔"

"ہائے نہیں۔"

"ارے نکال تو ایک کے دو بنا دوں گا۔"

پمّو نے بڑی مشکل سے ایک روپیہ والا نوٹ نکالا۔

"چل، چل کالی کلکتے والی، تیرا وار نہ جائے خالی، انٹ سنٹ بجلی بسنت — لے پھونک مار۔" چندر نے جادوگروں کی نقل میں ہاتھ ہلا ہلا کر منتر پڑھنا شروع کیا۔ پمّو نے پھونک بڑے تکلف سے ماری۔ چندر نے مٹھی کھولی تو ایک کی جگہ دس کا نوٹ تھا۔ پمّو کی چیخیں نکل گئیں۔

"ہئی ہے چندر و بھیا!"

لا جلدی جلدی بنوا لے۔"

"بس بھئی اب نہیں بنوانے۔" پمّو نے اطمینان سے نوٹ ٹھوسے

میں رکھ لیا اور چلی۔

"ارے رے رے، بھاگتی کہاں ہے؟" چندرو نے اسے پھر گھسیٹ کر بٹھا لیا۔ "پھر پچھتائے گی قسم سے، چل جھٹ پٹ نکال۔" چندرو نے چٹکی بجائی۔

پمّو نے دس کا نوٹ نکالا۔

"اونہہ، کیا مر مر کر نکال رہی ہے۔ اب کون بیٹھ کے دس دس کے نوٹوں پر منتر پڑھتا پھرے۔ سو کا نکال ہزار بنا دوں گا۔"

"ہاں؟"

"ہاں؟"

"ہزار!"

"اور کیا، جو ہزار کا ہو تو دس ہزار۔"

"ہزار کا تو نہیں ہے۔"

"اچھا! سو کا نکال۔" نوٹ لے کر چندو نے زور زور سے منتر پڑھنے شروع کیے: "کالی کلکتے والی، چل چال، سے پھونک مار، ٹھیک سے مار۔ لو، کیا چھو چھو کر رہی ہے۔ دیکھ بھئی الٹی سیدھی پھونک مار دی تو ایک دم معاملہ گڑبڑا جائے گا۔"

پمّو نے سارے کلیجے کا زور لگا کر پھونک ماری،

چندر نے مٹھی کھولی تو پرانے اخبار کا ٹکڑا نکلا۔

"دیکھا!"

"ہائے رام، میرا سو روپے کا نوٹ۔"

"تو میں کیا کروں؟ گدھیا سے کہہ رہا ہوں ٹھیک سے پھونک مار بھئی ٹھیک سے پھونک مار مگر۔" چندر غرایا۔

"میں نہیں جانتی، میرا نوٹ لاؤ۔"

"آہا ہا، خود ہی تو الٹی سیدھی پھونک مار دی، اب جادو الٹا پڑ گیا تو میں کیا کروں؟ مجھے دیر ہو رہی ہے، چل ہٹ۔" وہ اسے دور جھٹک کر چلنے لگا۔

"ہائے میّا میں مر گئی۔ ڈانس ماسٹر کی فیس کہاں سے دوں گی؟ لاؤ چور کہیں کے میرا نوٹ، لو یہ اپنا دس کا نوٹ۔"

"ارے تیرے سامنے جادو کیا اور اب ایسی باتیں کر رہی ہے۔ ارے بھئی یہ تو جادو ہے، کبھی سیدھا پڑ گیا تو کبھی الٹا۔" اس نے بڑی بھولی صورت بنا کر کہا۔ وہ دس کا نوٹ بھی لے لیا۔ گھبراتی نہیں ممّی، میں ذرا کام سے جا رہا ہوں، ابھی واپس آ کر تیرے سارے روپے دس گنا بنا دوں گا۔"

"ارے جا سؤر، اب تیری چالوں میں کون آتا ہے!" ممّو چندر کی چالیں خوب سمجھتی تھی۔ مگر وہ سیدھی طرح مانگتا تو کبھی نہ دیتی۔

حویلی برقی قمقموں سے جگمگا رہی تھی۔ سب جانتے تھے چاندنی کی سالگرہ کا تو بہانہ ہے، ان حویلی والوں کو اور کچھ نہیں تو کتنے کتّیا کی سالگرہ منانے کی سوجھ جاتی ہے۔ زندگی کی نااہلیت اور اکتاہٹ پل بھر کو کم ہو جاتی ہے، کچھ ہنگامہ ہو جاتا ہے، اوشا دیدی کو اپنا سگھڑپا دکھانے کا چانس ہی مل جاتا ہے جو ماضی کے حسابوں بڑے سرکار پر رعب ڈالنے کے لیے اچھا طریقہ ہے۔

چاندنی بے قرار چندر کے انتظار میں کمرے میں ٹہل رہی تھی۔ کھڑکی سے اس نے اس کی سائیکل کو پھاٹک کی طرف مڑتے دیکھا تو دیوانوں کی طرح گرتی پڑتی بھاگی۔

"چندر ورجی، میری مالا!" وہ اس کا اداس لٹکا ہوا منہ دیکھ کر دھک سے رہ گئی۔

"کیا ہوا؟" اس نے سہم کر پوچھا۔

"بک گیا ہار تو۔"

"ہار بک گیا"

"ہاں کوئی گھنٹہ بھر پہلے، مگر اس سنار نے وعدہ کیا ہے بالکل ایسا کا ویسا ہار پندرہ دن میں۔"

"ہنہ، پندرہ دن میں۔" وہ روہانسی ہو کر جانے لگی۔

"سن تو چنو۔"

"نہیں سننی۔" وہ چنگھاڑی "اتنے دن سے کہہ رہی تھی کہ بک جائے گا مگر میٹھس کہیں کے۔"

"دوسرا بن جائے گا۔ تو۔"

"مجھے نہیں چاہیے دوسرا تیسرا چوتھا پانچواں۔ تم لائے تو قسم سے پتھر سے کچل کر پھینک دوں گی۔"

"چندرا رانی۔"

"خبردار جو مجھے چندرا رانی کہا۔ میں رانی نہیں گھورے پہ پھینکی ہوئی اناتھ چھوکری ہوں۔ رانی ہوتی تو مجال تھی جو تم میرے لیئے ہار نہ لاتے۔ وہ، جس کے بیاہ کوئی ہار لے گیا ہے، وہی رانی ہے۔" اس کے گالوں پر لمبے لمبے آنسو بہنے لگے۔

بڑے سرکار نے یہ حسین ڈرامہ دیکھا اور کھل اٹھے۔ کسی نے ان

کی چھچھوری مسکراہٹ نہ دیکھی۔ گھنٹے بھر سے وہ ہار کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہے تھے۔

ہر سال وہ منشی جی کے ذریعے ہر کسی کی سالگرہ پر روپے دلوایا کرتے تھے۔ وہ چاندنی کو ہار کیسے دیں؟ گھنٹوں ٹہل ٹہل کر وہ منصوبے باندھتے رہے۔ کیا کہیں گے؟ کیسے کہیں گے؟ سب کے سامنے دیں یا اکیلے میں؟ بس وہ تو ایک بار اس کے چہرے پر وہ مسکراہٹ دیکھنا چاہتے تھے جو ہار کو پاکر اس کے ہونٹوں پر مچلنے لگے گی۔

چندر جو انہیں یتا سمان سمجھتا تھا جیسے وہ جان سے زیادہ چاہتے تھے۔ اسے زکام ہو جاتا تو بے چین ہو اٹھتے۔ انھیں اس سے کتنا لگاؤ تھا! اور کتنی نفرت تھی! وہ سوتے جاگتے اس کی موت کا خواب دیکھا کرتے: چندر گھوڑے پر سے گر پڑا ہے، اس کا بھیجا پاش پاش ہو گیا ہے، انھوں نے غم سے نڈھال چاندنی کو اپنے پیاسے ہونٹوں سے لگا لیا ہے اور۔۔ اور پھر آنکھ کھل جاتی: حلق خشک، پسینے میں شرابور وہ تھک کر ہانپنے لگتے۔ کتنی بار انھوں نے تخیل میں چندر کو قتل کر دیا، اس کی خون میں ڈوبی لاش کو روندتے ہوئے وہ حجلہ عروسی میں داخل ہو گئے اور۔۔ اور پھر آنکھ کھل جاتی، ان کا دل خون میں ڈوب جاتا، وہ بے قرار ہو کر ہچکیوں سے رونے لگتے۔ چندر۔۔ ان کا ننھا منا بھائی!

"میرے لال چندر اور پمّو کے تم ہی پتا ہو اور تم ہی ماتا۔ انھیں دکھ نہ دینا، نہیں تو میری آتما جنم جنم تک بھٹکتی پھرے گی۔" ماں نے مرتے سمے کہا تھا اور اس دن سے انھوں نے اپنا بچپن تیاگ کر بڑھاپے اور ذمہ داری کا کانٹوں بھرا چولا پہن لیا تھا۔ مگر قدرت ان کا کبھی مٹانے پر تل چکی تھی، ایک انجانی طاقت انھیں کٹھ پتلی کی طرح نچا رہی تھی، ساری عمر کی نیکی اور پارسائی ایک ہی وار میں بھسم ہوئی جا رہی تھی۔

راتوں کو وہ ڈراؤنے خواب دیکھ کر چونک پڑتے۔ روشنی جلا کر اپنے ہاتھوں اور کپڑوں پر خون کے نشان ڈھونڈتے۔ پھر بھی جی ٹھنڈا نہ ہوتا تو چندر کے کمرے میں جا کر اسے دیکھتے۔ کہیں زخم تو نہیں، سانس تو چل رہی ہے۔ اُسے زندہ اور صحیح سلامت پا کر بے اختیار ان کی ممتا جاگ اٹھتی۔ اچھی طرح کمبل اڑھاتے، مچھر دانی چاروں طرف دبا دیتے۔ کبھی چندر کی آنکھ کھل جاتی تو وہ اُن کی ہنسی اڑاتا: "واہ بھیا، کوئی میں بچہ ہوں۔"

"ترائی میں ملیریا پھیل رہا ہے، تم احتیاط نہیں کرتے۔"

جب دونوں بھائی پاس پاس بیٹھ جاتے، چھوٹے چھوٹے پیار کے جملے کہتے، ماں باپ کی محبت کو یاد کرتے اس وقت چاندنی ان کے دھیان سے دور ہوتی اور وہ چندر کے شاندار مستقبل کے پلان بناتے، پمّو کی شادی کے اخراجات کا حساب لگاتے، بڑی فیاضی سے اُسے روپے دیتے، جیسے اپنے لگائے زخموں پر مرہم لگا رہے

ہوں، حالانکہ وہ سارے زخم کچھ ان کے دل پر کم گہرے نہ تھے۔

مگر اس وقت چندر کی ہار اور اپنی جیت کا دلچسپ ڈراما دیکھنے کے لیے وہ ایک کمسن بچے کی طرح بے قرار تھے۔

مگر جب وہ ہارے کر نیچے ہال میں پہنچے تو منظر ہی کچھ اور تھا۔ گھڑی بھر پہلے کی بپھری ہوئی چاندنی چندر کی بانہوں میں پگھل رہی تھی:

"چاندرا جہ، میرے گلے کا ہار تو تیری بانہیں ہیں۔ تھو ہے ہار پہ۔ میں بھی کتنی بدھو ہوں۔ واہ! چندن راجہ ایک دن مجھے ہیروں جڑی مالا پہنائے گا، کیوں؟ ہے نا؟"

"مگر میں نے آج تک تجھے کچھ بھی تو نہیں دیا۔" چندر شرم سے گردن جھکائے تھا۔

"تو نے مجھے جیون کا سہارا دیا پگلے۔ تو نے مجھے وہ دیا جو بھگوان نے چھین لیا تھا: یہ گھر، سکھ چین، ہمو جیسی گوئیاں — اور کیا چاہیے مجھے؟ اور تو جب ایسے دیکھتا ہے مجھے تو میرے من میں موتیوں کی پھوار ہونے لگتی ہے۔ میری طرف مت دیکھ چندر۔" اس نے چندر کی آنکھوں پر ہتھیلی رکھ دی۔

ایک الاؤ بڑے سرکار کے وجود پہ دہک اٹھا، جنگلی بھینسے کی طرح ان کے سانس کی دھونکنی چلنے لگی، آنکھوں میں زہر میں بجھی سلاخیں

کنپٹیوں کو چیرتی چلی گئیں، ہار سانپ کی طرح انگلیوں کو ڈسنے لگا۔ اس سے قبل کہ وہ وحشی درندے کی طرح اپنے رقیب پر ٹوٹ پڑتے کسی کے پیروں کی چاپ سن کر وہ جاگ پڑے۔

اوشا رانی سولہ سنگھار کیئے زینے پر سے اتر رہی تھیں۔

"اُوشا!" انھوں نے اپنے حلق کی ساری تلخی کو پی کر نہایت میٹھے سُروں میں پکارا۔

"آہ! اپنا نام ان کے ہونٹوں سے سن کر جیسے اوشا کی چھاتی پر دھائیں سے گولی لگی، وہ کلیجہ تھام کر بولیں: "جی۔"

"ذرا اِدھر آیئے۔" وہ اس کی تڑپن سے لطف اٹھاتے ہوئے شرافت سے بولے۔

اوشا کی جان کھنچنے لگی۔ نئی دلہن کی طرح ہولے ہولے قدم اٹھاتی وہ ان کے پاس پہنچیں۔ ہے بھگوان، آج انھوں نے پکارا!

"دیکھیے تا ہم آپ کے لیے کیا لائے ہیں؟"

"میرے لیے!"

"جی، حقیر سا تحفہ ہے۔" انھوں نے ہار اُس کی آنکھوں کے سامنے نچایا۔

"میرے جیون کا سب سے سندر سنگھار ہے۔" انھوں نے دبی زبان

سے کہا اور دونوں ہاتھ پھیلا دیے۔

"اوہنک، ہم خود پہنائیں گے۔"

"ارے یہ ہار آپ لے آئے؟" چندر نے چاندنی کے منع کرنے سے پہلے کہہ ڈالا۔

"ہاں، کیوں؟ کیا پسند نہیں۔"

"جی نہیں، میرا مطلب ہے، جی ہاں۔" چندر نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

اتنے میں ماسی آ گئیں اور ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

"جیو مرے لال۔ جگ جگ جیو۔ میری عمر بھی تمھیں کو لگ جائے۔" انھوں نے بڑے سرکار کی بلائیں لے کر کہا اور اوشا کو گلے لگا کر ایسے پھوٹ کر روئیں جیسے ڈولا تیار ہو چکا ہے اور وہ اپنی سسرال جا رہی ہو۔

غصے اور نفرت کا ایک بے پناہ طوفان بڑے سرکار کے دماغ میں گونجنے گرجنے لگا مگر وہ ضبط کر گئے۔

"ہاں، اوشا جی، منشی سے کہتا چاندنی کو جنم دن کے کتنے روپے دیے جاتے سال، بس اتنے دے دیں۔" بڑے خشک لہجے میں انھوں نے حکم دیا اور لائبریری میں چلے گئے۔

"ہمیں نہیں چاہییں روپے۔" چاندنی پھنکاری۔ تھوڑی دیر کے

لیے دونوں مرجھا سے گئے، پھر سب کچھ بھول بھال کر سالگرہ کے ادھم میں لگ گئے۔ لان پر نوجوان لڑکے لڑکیاں اودھم جوت رہے تھے۔ فضا قہقہوں کی جھنکار سے گونج رہی تھی۔ اوشا رانی کی آنکھوں میں آج نرالی ہی جوت جگمگا رہی تھی۔ وہ بار بار گلے میں ہار کو چھوتیں اور پھر خود ہی شرمانے لگتیں۔

ماسی کی عجیب حالت تھی۔ ایک طرف تو وہ چاندنی کے ٹھاٹ دیکھ کر سلگ رہی تھیں، دوسری طرف خوش تھیں کہ چندر بالکل ہی چھوکری پر نثار ہو چکا ہے۔ شادی کر لے تو بڑے سرکار پھٹ سے جائیداد سے محروم کر دیں گے۔ مالک تو وہی ہیں، انھیں کے نام ساری پونجی جمع تھی۔

بڑے سرکار اس ہنگامے میں بھی اکیلے تھے۔ ان کے دماغ پر گھن برس رہے تھے۔ مایوسی اور نامرادی کے بادل منڈلا منڈلا کر ان کا دم گھونٹے دے رہے تھے۔ دل کی ویرانی بڑھتی جا رہی تھی۔ احمقوں کی طرح وہ چندر اور چاندنی پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔ ان کی ہر شوخی پر ایک تازیانہ سا ان کے احساسات پر پڑتا اور وہ تڑپ کر رہ جاتے۔

ایک دم ان کی نظر گھاس پر پڑے ہوئے ہار پر پڑی جو

اوشا کے گلے سے کھل کر سرک گیا تھا۔ جھک کر انھوں نے ہار اٹھایا اور اوشا کو دینے لگے۔ ایک دم نہ جانے کیا سوچ کر ٹھٹک گئے، گلا صاف کرنے کے بہانے وہ اٹھے، چاندنی کا بٹوہ میز پر پڑا تھا۔ اسے کھول کر ہار ڈال دیا۔

چاندنی مولسری کے پیڑ تلے سوکھے پتوں کے ڈھیر پہ بے سدھ پڑی تھی۔ جب کبھی اس کے دل کو کوئی بڑا بھاری دکھ چوٹ لگاتا تو وہ یہیں پتوں کے ڈھیر پہ جا بیٹھتی۔ یہی پتے تو اس کا مائکا تھے۔ چندر نے اُسے یہیں پڑا پایا تھا۔ یہیں پڑی پڑی وہ پتوں کی طرح سوکھ جائے گی، پھر مالی ادھر کے جھانکڑ کی جھاڑو سے اسے سمیٹ کر بانس کے کوڑے کے ساتھ جلا دے گا، پھر اس کی راکھ فضا میں آہیں بھرتی جنم جنم تک اُڑتی رہے گی۔

مگر پہلے جب کبھی وہ روٹھتی تھی تو چندر بے قرار ہو کر اسے منا لیتا تھا۔ اب کے اس نے چاندنی کو کوڑے کے ڈھیر پہ پڑا دیکھا تو انجان بن گیا، جانو وہ وہاں ہے ہی نہیں، وہ اتنی سنجیدگی سے کبھی نہیں روٹھا تھا۔

جب ادشا دیدی کا ہار اس کے بٹوے سے سارے مہمانوں کی

موجودگی میں نکلا تو چند رمارے شرم کے زمین میں گڑ گیا۔ اس نے چاندنی کو اتنے زور سے سب کے سامنے طمانچہ مارا کہ اب تک گال سوج رہا تھا۔ اسے اپنی صفائی میں کچھ کہنے بھی نہ دیا۔

"کسی چور ڈاکو کی اولاد ہوگی موئی۔" ماسی نے مہمانوں سے تلاشی لینے پر معافی مانگتے ہوئے کہا تھا۔

"جانے دیجیئے ماسی۔" بڑے سرکار انھیں روکتے رہے مگر وہ بھلا رکنے والی تھیں؟ خوب جلی کٹی سناتی رہیں۔

"افوہ، جانے دیجیئے۔ انسان سے بھول ہو ہی جاتی ہے۔ اوشا بھی اب یہ ہار نہ پہنیے۔" بڑے سرکار بولے۔

"کیوں؟" اوشا کانپ اٹھیں۔

"جسے پسند ہے اسی کو دے دیجیے، ہم آپ کو دوسرا لا دیں گے۔"

"کیوں دے دے۔ بڑی آئی پسند کرنے والی۔ اسے صدقے کر دوں مری کو۔ ہمارے ٹکڑوں پر پلی اور ہم سے بیر باندھتی ہے۔"

"ماسی جی جا ہو جیسی قسم لے لو میں نے ہار کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔" چاندنی شرم سے لوز کر رونے لگی۔

"اری چل نگوڑی، تیرا مرا جیتا ہے کون جس کی قسم کھائے گی؟ کوئی ہوتا تو یوں کوڑے پہ پھینک جاتا؟ اری میری بیٹی سے تو نے

کس بات کا بیر نکالا؟ اری میری بیٹی نے اس کتیا کے سگی بہن سے زیادہ دلار کیے، جنم دن کا سارا انتظام کیا، ہاتھ سے موتی کو ہمیشہ ہی پرو کو سجایا اور اس نے یہ بدلا دیا۔"

"چاندنی!" پمّو سسکیوں سے رو پڑی تھی، "تجھے یہ ہار اتنا پیارا تھا کہ چوری سے بھی ڈر نہ لگا۔ چھوٹ بھیّا!" وہ دوڑ کر چندر سے لپٹ گئی۔

چندر نے آنسو بھری آنکھوں سے چاندنی کی طرف دیکھا، وہ کٹ کر رہ گئی۔

"چندر تمہیں میرے اوپر وشواش نہیں۔"

اور چندر نے بھرپور طمانچہ اس کے منہ پر جڑ کر اسے اپنے سے دور دھکیل دیا۔

"بھئی تم لوگ خواہ مخواہ اتنی سی بات کا بتنگڑ بنا رہے ہو۔ ہار پسند تھا لے لیا تو ایسا کون سا غضب ہوگیا؟ چندر تم زیادتی کر رہے ہو۔" بڑے سرکار نے اور آگ پر تیل چھڑکا، جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ چاندنی پر اور گالیاں پڑیں۔

"بھئی کسی کو ہار اتنا پسند ہو کر وہ چوری تک کر بیٹھے، ایسا ہار میں ادشا رانی کو دینا نہیں چاہتا، دے دو اسی کو اوشا ،

"اوہ، میری جان بھی چلی جائے تب بھی میں یہ ہار کسی کو نہیں دوں گی۔" اوشا نے گھٹے ہوئے گلے سے کہا، جیسے ہار نہیں کوئی ان سے ان کا سہاگ مانگ رہا تھا۔

"دھان جی کا ہے کو دیوے ہار۔ کل کو یہ کسی کی جان مانگیں گی تو کوئی کماری جی کے لیے جان بھی دے دے گا۔" ماسی غرائی۔ پارٹی درہم برہم ہو گئی۔ لوگ کھسیانے سے جلدی جلدی رخصت ہو گئے۔ گھر میں ایسا معلوم پڑتا تھا جیسے موت ہو گئی ہو۔ چندر کے لاڈلے دل کو کبھی اس سے زیادہ بھاری صدمہ نہیں پہنچا تھا۔ چاندنی کے لیے تو جینے کا بہانہ بھی ختم ہو چکا تھا۔ چاند پر گھنگھور گھٹائیں چھا جائیں تو پھر چاندنی کیوں نہ سسک کر دم توڑ دے:

"کیا چاندنی چور ہے؟ تو پھر میرے زیور میز پر پڑے رہتے ہیں کیوں نہیں چراتی؟" پمّو نے بحث کی۔

"مجھے ذلیل کرنے کے لیے اس نے چوری کی۔" چندر نے تھوک نگل کر کہا۔

"جل ککڑی بہت ہے، کسی کی خوشی نہیں دیکھ سکتی، میرا دل دکھانا چاہتی تھی۔" اوشا بسوریں۔

"نہیں جی تم اس کمینی کو نہیں جانتیں۔ اصل میں بڑے سرکار سے

جلتی ہے۔ اس کا بس چلے تو ساری جائیداد چندر کے نام کروا دے۔۔ وہ اس کے تلوے چاٹتا ہے نا" ماسی نے اور زہر اگلا۔

بس ایک بڑے سرکار تھے جنہوں نے ایک نقطہ چاندنی کے خلاف منہ سے نہ نکالا۔ وہ مہا پرش جو تھے! کتنی دُربا تھی ان کے دل میں! وہ برابر یہی کہہ رہے تھے: "اتنی سی غلطی کی اتنی بڑی سزا، یہ زیادتی ہے چندر کی۔"

وہ دیوتا تھے۔ شما کرنا ہی تو بڑپن کی نشانی ہے۔۔ وہ جنہیں چاندنی اپنا سمجھتی تھی کتنے کچے نکلے اور جنہیں جانی دشمن سمجھتی تھی وہ دیوتا سمان اس کی پچھ کر رہے تھے۔ ایک دم اس کے دل سے بڑے سرکار کے خلاف سارا میل دُھل گیا۔ اگر وہ ان سے اتنا ڈرتی نہ ہوتی تو جا کر ان کے پاؤں پکڑ لیتی:

"میرے سرکار میں نے آپ کو غلط سمجھا۔ میں پاپن ہوں، مجھے معاف کر دیجیے۔ جو چاہے سزا دیجیے پر چندر سے کہیے مجھے یوں سب سے موت نہ سہ سکا ئیے۔ میں مر بھی تو نہ سکوں گی اس کے پیار بنا۔"

ہائے جس گھر میں اس کے اتنے لاڈ ہوتے تھے آج الٹ کر اس کی طرف دیکھنا بھی کسی کو پسند نہ تھا۔ یہ بچپن کی شوخی بھری لڑائی نہیں تھی۔ پمّو نے کئی بار اس کے پاس آکر بیٹھنے کی کوشش کی مگر ماسی نے

نے وہ شور مچایا کہ ہمت نہ پڑی اُس کی۔

"چور، نیچ ذات کی سنگت میں تیرا ناس لگ جائے گا۔" انھوں نے چنگھاڑنا شروع کیا اور اس کا پلنگ اٹھوا کر اوشا کے کمرے میں لگانے کی دھمکی دی، مگر اوشا کے کمرے میں پپّو کا دم گھٹنے لگا۔ کوئی چیز اِدھر سے اُدھر ہو جاتی تو غل مچانے لگتیں۔ وہ چاندنی سے دور رہ بھی نہیں سکتی تھی۔

"پر چاندنی سؤریا تو نے ہار کیوں چرایا؟ جی چاہتا ہے تیرا بھُرتا بنا دوں چڑیل۔" اس سے نہ رہا گیا۔ اس ڈانٹ میں کتنا پیار تھا! چاندنی رو پڑی۔

"پمّو رانی تیری قسم میں نے ہار کو ہاتھ بھی چھوا یا ہو تو کوڑھ پھوٹے میں مر جاؤں، میرے دیدے پٹم ہو جائیں۔"

"نہ بھئی ایسی باتیں نہ کر، مگر یہ چندر کا بچہ بڑا نیچ ہے۔ اتوار کو پکنک کا پروگرام تھا، سب چوپٹ ہو گیا۔ ہار نہ ہوا بلا ہو گیا کہ سارا گھر سونا پڑا ہے، جی اوب گیا۔"

چاندنی سے ملاپ کر کے وہ سیدھی اوشا کے پاس پہنچی۔

"دیدی!" اس نے بڑا سنجیدہ چہرہ بنا کر کہا۔

"ہاں؟"

سودائی

"مجھے شما کہ دو رانی دیدی۔"

"کیسی شما؟"

"وہ تمہارا ہار تھا نا؟ وہ۔ وہ میں نے چرایا تھا۔" پموں نے آنکھیں مسل کر کہا۔

"تو نے چرایا تھا؟"

"ہاں۔ پھر۔"

"پھر؟"

"پھر بٹوے میں ڈال دیا۔"

"چاندنی کے بٹوے میں؟"

"اور کیا۔ میرا بٹوا تو کمرے میں تھا۔"

"چل جھوٹی۔"

"ارے سچ، قسم سے پیاری دیدی۔"

"بکواس نہ کر، تو کیوں چراتی ہار؟"

"ارے میں تو مذاق کر رہی تھی، چرایا نہیں۔"

"پھر کیوں جھوٹ بول رہی تھی۔"

"اٹھا لیا تھا۔ گھاس پہ پڑا تھا۔ میں نے اٹھا کر بٹوے میں ڈال دیا۔ آپ اُدھر تھیں نہیں اس لیے۔"

"ہائے رام! تو جبھی تو نے بتایا کیوں نہیں۔"

"وہ۔ وہ مجھے ڈر لگا کہ کہیں سب مجھے چور نہ سمجھنے لگیں۔ ماسی اتنا غصہ کر رہی تھیں۔ میں ذرا باتھ روم گئی تھی، واپس آئی تو دیکھا چاندنی چورہے۔" بمتّو اڑانے لگی۔

"چل جھوٹی۔ تُو تو اس وقت خود چاندنی کو ڈانٹ رہی تھی۔"

"ایں؟ تو پھر کیا کرتی؟" ارشاد بدتی بس میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔"

"ہائے رام یہ تو برا ہوا۔" اوشا دکھی ہو گئی۔

"اچھا چڑیل تو نے ہار چرایا اور چاندنی پر ڈانٹ پڑی بتایا کیوں نہیں؟"

"وہ چاندنی مجھ سے جو دنگا کر رہی تھی صبح سے۔"

"تو تُو نے اُسے پھنسا دیا! چل بھوتنی، چل بڑے بھیا کے پاس۔" چندر نے اس کی چوٹی پکڑ کر گھسیٹا۔ دیکھ تجھے کتنے جوتے کھلواتا ہوں۔" وہ اسے مارتا، دھکے دیتا لے چلا۔ بمتّو نے خوب ٹھوکریں ماریں، کاٹا اور پھسکڑا مار کر بیٹھ گئی مگر چندر نے اسے اٹھا لیا اور بورے کی طرح لے جا کر بھیا جی کے سامنے پٹخ دیا۔

"یہ دیکھیے بھیّا اس چڑیل کے کرتوت۔"

"چندر ہوش میں ہو کہ نہیں۔"

"میں اپنے ہوش میں کیسے رہ سکتا ہوں؟ ہار اس نے چرایا اور الزام بے چاری چاندنی کے سر تھپ گیا۔"

"پر میلا یہ سب کیا ہے؟"

"بڑے بھیّا میں نے وہ ہار تھا نا۔ چرا کر۔"

"تم بدھو ہو چھوٹے بھیّا، تم بیچ میں مت بولو۔ بڑے بھیّا میں نے۔ میں نے ہار چاندنی کے بٹوے میں ڈال دیا۔"

"جھوٹی۔" بڑے بھیّا زور سے گرجے، پمّو کے آنسو چھلک پڑے۔

"مگر بڑے بھیّا یہ تو خود کہہ رہی ہے۔"

"یہ جھوٹ بول رہی ہے۔" بڑے سرکار کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔

"نہیں بھیّا یہ خود کہہ رہی ہے۔ آپ ہی سوچیے اور کون پاجی ہو سکتا ہے اس کے سوا؟"

"ہاں۔ مگر۔" بڑے بھیّا کی آنکھیں جھک گئیں۔

"معاف کر دیجیے بھیّا۔ میں نے تو مذاق میں چھپایا تھا مگر جب بات اتنی سیریس ہو گئی تو میں نے ڈر کے مارے نہیں بتایا۔"

"پمّو!"

"جی بڑھیّا۔"

"یہاں آؤ، میرے پاس۔"

"جی بڑھیّا!"

"جانتی ہو جھوٹ بولنا پاپ ہے۔"

"مگر بڑھیّا میں قسم کھا سکتی ہوں کہ چاندنی نے ہار نہیں چرایا۔"

"پھر کس نے چرایا؟"

"میں نے۔" اس نے بڑی صفائی سے جھوٹ بولا مگر اس کی شفاف اور معصوم آنکھوں میں ذرا بھی جھجک نہ تھی۔

"نہیں۔"

"تو پھر کس نے چرایا؟"

"میں نے!" بڑے سرکار نے کہا۔

"آپ نے؟ اوہ۔" وہ زور سے قہقہہ مار کر ہنسی، "جایئے بڑھیّا بھلا آپ۔" اور وہ ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو گئی۔

چندر نے جا کر چاندنی سے کہہ دیا کہ پمّو نے اقبالِ جرم کر لیا ہے کہ ہار اس نے بٹوے میں ڈالا تھا۔

"پمّو نے؟" چاندنی چونک پڑی۔

"ہاں، کیونکہ وہ تمہارے جنم دن پہ جل رہی ہوگی۔"

"رام رام، کیا کہہ رہے ہو چندر جی! پمّو میری خوشی سے جلے گی؟ وہ تو خود میری خوشی ہے۔ بھگوان نے مجھے کچھ نہ دے کر پمّو کو میرا بنا دیا، بس یہی بڑی سے بڑی دولت ہے۔"

"ارے وہ بڑی بدذات ہے چڑیل۔"

"نہیں نہیں، وہ جھوٹ بول رہی ہے۔"

"ارے واہ! اِس میں اُسے کیا مل جائے گا؟ بیکار ڈانٹ کھانے کو۔"

"کیوں کہ۔ تم نہیں پہچانتے چندر جی۔ کیونکہ وہ بالک کی طرح نرم دل اور بھولی ہے اس نے سارا دوش اپنے سر لے لیا۔"

"تو کیا۔ تمہارا مطلب ہے ہار اس نے نہیں بلکہ تم نے خود۔"

"نہیں، میں نے ہار نہیں چرایا۔ مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ تم نے تو مجھے چور مان ہی لیا اور سزا بھی دے دی۔ اب چھان بین سے کیا فائدہ؟"

"چاندنی!"

مگر چاندنی منہ پھیر کر چلی گئی۔

"سنو تو چاندنی۔" چندر نے اس کا بازو پکڑا مگر اس نے دور جھٹک دیا۔

"کیا مجھ سے ساری عمر بات نہ کرو گی؟"

"نہیں۔" چاندنی ہونٹ کاٹنے لگی۔

"تو پھر کٹی۔"

"بالکل۔"

"تو مجھ سے بیاہ نہیں کرے گی؟"

"میری موت آئی ہے جو تیرے جیسے چھچھورے سے بیاہ کر کے اپنی مٹی پلید کرواؤں گی۔"

چاندنی نے ناک سکوڑی۔

"پھر کس سے بیاہ کرے گی؟"

"جس سے میرا من چاہے گا۔"

"تیرے من کی ایسی تیسی۔ میں سالے کے گولی مار دوں گا۔"

"اوہ بڑا آیا لاٹ صاحب گولی مارنے والا۔ پہلے کنڈی میں منہ دھو آ۔ بدھو۔"

"چاندنی زبان سنبھال کر بات کر۔ مجھے بدھو کہہ رہی ہے؟" چندر غرا کر اس پر چڑھ آیا۔

"ہاں ہاں بدھو، گنوار۔" چاندنی نے اسے پرے دھکیلا۔

"گنوار؟"

"ہاں پلٹے سرے کا گنوار۔" چاندنی پلٹ کر موری پھلانگتی بھاگی۔

"پلٹے سرے کا گنوار؟" چندر نے اڑنگا لگایا۔

"ہائے رام۔" چاندنی موری سے بہتی ہوئی کیچڑ میں رپٹی۔ دانت کچکچا کر اس نے دونوں ہاتھوں سے کیچڑ سمیٹ کر چھپاک سے چندر کے منہ پر ماری اور آن کی آن میں دونوں کیچڑ میں گتھم گتھا ہو گئے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" بڑے سرکار نے برآمدے کی سیڑھیوں پر سے پوچھا۔

"ملاپ!" اوشا رانی کھکھلا کر ہنسیں اور نارنگی کے رس کا گلاس بڑھا دیا۔ چندر اٹھ کر بھاگا اور چاندنی بھیگی ہوئی چوہیا کی طرح غسل خانے میں رینگ گئی۔

"اوشا رانی!"

"جی؟"

"یہ نارنگی کا گلاس تم پی لو۔ تمہیں اس کی بہت ضرورت ہے۔ دیکھو نا کتنی مرجھا گئی ہو۔"

"میں؟"

"ہاں۔ تم بوڑھی ہوتی جا رہی ہو۔ ارے تئیس برس ہی میں

تمہارے بال سفید ہونے لگے؟ چہ چہ۔ میری جان کے پیچھے پڑی رہتی ہو، اپنی صورت آئینے میں نہیں دیکھتیں، کیسی پھٹکار برسنے لگی ہے!"

اوشارانی کے ہاتھ سے رس بھرا گلاس چھوٹ پڑا۔

"صورت بھگوان جیسی عادت شیطان جیسی!"

چاندنی بڑے سرکار کی چاندی کے فریم میں لگی ہوئی تصویر پہ ریمارک پاس کر کے جی ہی جی میں خوش ہو رہی تھی، اور امنگ بڑھی تو گریبان میں سے قلم نکال کر شیطان لکھ کر سینگ بنانے میں مشغول تھی کہ ایک دم قیامت ٹوٹ پڑی۔

"ہائے رام!" چاندنی پلٹی تو ماسی کا وہ زنانے دار تھپڑ پڑا کہ تارے نظر آ گئے۔

"نمک حرام! کمینی! چڑیل!" تڑاتڑ تھپڑوں اور دھموکوں کا طوفان برستا رہا۔ "جس تھالی میں کھانا اسی میں چھید کرنا۔ بدذات! چھنال کی جنی!"

چاندنی کی چیخیں سن کر سب جمع ہو گئے۔ وہ دوپٹے سے تصویر صاف کرنے لگی تو چاچی نے اسے ایک زور کا دھکا دیا اور کھانے وار کی

طرح تصویر داب کر کھڑی ہو گئی، جیسے قتل کے ثبوت میں اسے لاش ہی تو ہاتھ آ گئی ہو۔

"یہ دیکھ۔ دیکھ اپنی چہیتی کے لچھن۔" انھوں نے چندر کی آنکھوں میں تصویر گھسا کر کہا۔

"یہ۔ یہ تو نے لکھا ہے؟" چندر نے مری ہوئی آواز میں پوچھا۔

"چندر جی۔" چاندنی لرز کر ہکلائی۔

"ہاں ہاں کہہ دے مالزادی کہ تو نے نا لکھا۔" بڑے سرکار کو لائبریری سے نکلتا دیکھ کر چاندنی کو چھوڑ کر ان پر لپکیں:

"تم سے کہتی ہوں اس ابھاگن کو کسی اناتھ آشرم میں پھنکوا دو۔ یہ دیکھو۔ دیکھو۔" ماسی رو پڑیں۔

"خوب!" بڑے سرکار بڑی دریا دلی سے مسکرائے۔ سارا گھران کی ایسی پوجا کرتا تھا کہ وہ اکتا گئے تھے۔ بجائے غصے کے انھیں چاندنی کی اس شرارت میں چاشنی ملی۔ "مگر ماسی اگر ہمارے بارے میں کوئی کچھ رائے رکھتا ہے تو اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے؟" وہ ہنستے ہوئے چلے گئے۔

"بڑی آئی رائے کی بچی! ارے منی ڈالوں اس کتیا کی بچی کی شکل پر۔ موئی حرام کا بیج!"

"چندر جی میں نے — میں نے تو یونہی مذاق میں۔"
"تمہارا ان سے مذاق کا کون سا ناطہ ہے؟" چندر غرّایا۔
"میں ہاتھ جوڑتی ہوں چندر جی بھول ہوئی، تمہارے پیر پڑتی ہوں۔"
"میرے ہاتھ پیر جوڑنے سے کام نہ چلے گا، جسے گالی دی ہے اسی سے معافی مانگو۔" چندر نے اسے جھٹکے سے الگ کر دیا۔
"ہائے — نہیں —" چاندنی سہم گئی۔
"ہوں — تو اب تو ان سے معافی بھی نہیں مانگے گی؟ قسم سے اتنے جوتے پڑیں گے کہ —" چندر غرّایا۔
"تو مار لو جوتے۔"
"دور ہو — مجھ سے آئندہ بات کی تو اچھا نہ ہوگا۔"
"تو معافی مانگ لوں گی، چلو۔"
"میں کیوں چلوں؟" چندر کرسی پر لیٹ گیا۔
"ہائے میں اکیلی جاؤں؟" چاندنی بگڑی۔
"اکیلی کو کیا کوئی کھا جائے گا؟"
"مگر — میں —" چاندنی کچھ نہ بول سکی۔ "پمو رانی!"
"نا بھئی مجھے کاہے کو پھنساتی ہو، مجھے کلاس جانا ہے۔"
"ہے بھگوان! رام کرے میں تو مر ہی جاؤں۔ پمو جی دروازے

تک چلی چلو۔ میری کیسی ممو جی۔" چاندنی اسے پھسلانے لگی۔

"چل، دروازے تک چلے چلتے ہیں پر کہے دیتے ہیں ہم اندر نہیں جائیں گے ہاں۔" ممو راضی ہو ہی گئی۔

"مگر سؤر یا تجھے یہ کیا سوجھی؟ باپ رے باپ! بڑے بھیا کو شیطان کہتی ہے! وہ تو تیرا کتنا خیال کرتے ہیں۔"

"تو نہیں جانتی ممو۔" وہ ایک دم چپ ہو گئی۔

"ارے میں سب جانتی ہوں۔ تجھے وہ غصے سے گھورتے ہیں تو تو سمجھتی ہے نفرت کرتے ہیں۔ نہیں چاندنی وہ تجھ سے نہیں چندرو سے خفا ہیں اور فیملی پریسٹیج کا خیال ہے۔ مگر تو دیکھنا وہ راضی ہو جائیں گے۔ لے جا۔" اس نے بڑے سرکار کے دروازے پر پہنچ کر کہا۔

"ممو۔ تو بھی۔"

"چل ہٹ۔"

"مگر سن تو۔ دیکھ کیا کر رہے ہیں؟"

"پڑھ رہے ہیں۔ کتاب۔" ممو نے جھانک کر کہا۔

"کیا ہے؟" اندر سے بڑے سرکار بولے۔

"وہ۔ چاندنی۔ بڑے بھیا۔" ممو پکڑی گئی۔

"تو پھر؟"

"معافی ما - وہ معافی مانگنے آئی ہے۔"

"اچھا؟" بڑے سرکار دل کی دھڑکنیں سنبھالنے لگے۔ "آنے دو۔" انھوں نے پیشانی سے پسینہ پونچھ کر کہا۔

"تو بھی آ رانی۔" چاندنی اس کے گریبان میں جھول گئی۔

"پرمیلا، درگا سے کہو چائے لے آئے۔" بڑے سرکار نے حکم دیا، پمّو جھٹکا دے کر بھاگی۔

چاندنی ایک دم بدک کر بھاگنے لگی مگر پھر کوئی راستہ نہ پاکر مرے مرے قدموں سے اندر داخل ہوئی۔ بڑے سرکار اس کی طرف پیٹھ کیے بالکل بے خبر بیٹھے تھے، وہ پھر پلٹ کر جانے لگی۔

"تو تم معافی مانگنے آئی ہو؟" وہ اس کی طرف مڑے مگر نظریں کتاب پر جمائے رکھیں۔ چاندنی کی کچھ ہمت بندھی۔

"آؤ، بیٹھو۔" وہ سہمی ہوئی آئی اور ایسے پر تولتی ہوئی چڑیا کی طرح کرسی کی نگر پر ٹک گئی کہ شُو کیا اور پھر سے اڑی۔

"ہوں۔ تو اپنے کون کون سے گناہوں کی معافی مانگنے آئی ہو؟" وہ بڑبڑائے۔

"جی!۔" بکھری ہوئی آواز حلق ہی میں سسک کر رہ گئی۔

"ہاں۔" انھوں نے ٹھنڈی سانس بھری، "پچھلے جنم میں جو پاپ

کیسے تھے اُن کی سزا ہی رہی ہے!؟" وہ جیسے خود سے بولے۔

"میں نے غلطی کی، معافی چاہتی ہوں۔" وہ اٹھ کر چلنے کو تیار ہو گئی۔

"مگر میں نے تو ابھی معاف نہیں کیا۔" وہ شرارت سے مسکرائے۔ "بیٹھو۔" مگر چاندنی کھڑی رہی۔

"کوئی میرے سوال کا جواب نہیں دیتا۔" وہ بڑبڑائے۔

"جی؟" چاندنی کچھ نہیں سمجھی۔ انجانا خوف اس کا گلا گھونٹنے لگا، وہ ملتجی نگاہوں سے انھیں تکنے لگی۔

"کہ ۔ کہ تم جب یوں دیکھتی ہو تو میرا دماغ پھٹنے لگتا ہے۔" اُن کی آنکھوں میں آسیب سر اٹھانے لگے۔

چاندنی نے نادم ہو کر جھٹ سے پلکیں جھکا لیں، بڑے سرکار ہنس پڑے۔

"یہ اور بھی زیادتی ہوئی۔" وہ خود سے بولے۔

"میں جاؤں؟"

"مگر میرے سوالوں کا جواب تو دیتی جاؤ۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"جی؟"

"تم ۔ تم میرا تماشہ بنانا چاہتی ہو!" ایک دم اُن پہ [illegible]

ہو گیا۔

چاندنی نے چپٹ پلکیں جھکالیں۔

"یہ اور بھی ظلم ہوا" بڑے سرکار نے فریاد کی۔

"میں — میں جاؤں؟"

"میرے سوالوں کا جواب دیتی جاؤ۔ مجھے کیا ہو گیا ہے؟" انھوں نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا، "میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

چاندنی ایک دم اٹھ کر بھاگی۔

"ٹھیرو —" انھوں نے لپک کر اس کا بازو تھام لیا۔ ہاتھ لگنا تھا کہ قیامت ٹوٹ پڑی، فضا میں بارود پھٹ پڑی، ایک خاموش دھماکہ ہوا اور بڑے سرکار کا جسم لرزنے لگا، گردن کی رگیں کھڑی ہو گئیں، پسینے کے فوارے پھوٹ نکلے۔ بڑی لجاجت سے انھوں نے اس کا ہاتھ اپنے دل پر رکھا، معلوم ہوتا تھا اندر کوئی زخمی تیندوا اچھل رہا تھا۔ پھر انہیں ہوش نہ رہا، انھوں نے وحشیوں کی طرح اس کے کپڑے تار تار کر ڈالے۔ چاندنی کے منہ سے ایک گھٹی ہوئی چیخ نکلی اور ہونٹوں پر ان گنت سانپ ڈسنے لگے۔

ایک پرشور جھناکا ہوا اور آرتی کی تھالی چیختی چنگھاڑتی فضا کے

کان گنگ کرگئے۔

"کلنکنی! ڈائن! تیرا ستیاناس ہو۔" ماسی دونوں ہاتھوں سے اپنا گلا نوچنے لگیں، جیسے پھانس چھڑا رہی ہوں۔ ایک دم وہ لڑکھڑا کر کرسی سے ٹکرائیں۔ خون کے دباؤ سے ان کا منہ نیلا پڑ گیا، جیسے کالی ناگن نے ڈس لیا ہو۔ تیورا کر وہ فرش پر ڈھیر ہو گئیں۔

تھالی کی آواز اور چاندنی کی چیخ سن کر سارا گھر دوڑ پڑا۔

"ڈاکٹر، بھگوان کے لیے ڈاکٹر۔" اوشا ماں کا سر زانوں پر رکھ کر بلکنے لگی۔

پمّو نے جلدی سے دیوار سے چپکی ہوئی چاندنی کی درگت سے سہم کر اس پر پلنگ سے چادر گھسیٹ کر ڈال دی اور وہ گرتی پڑتی بھاگی

"منشی جی ڈاکٹر کو فون کیجیے، فالج معلوم پڑتا ہے۔"

چندر ماسی کے منہ پر پانی چھڑکنے لگا۔

"نہیں!" وہ بڑی زور سے چیخے مگر سب کو حیرت سے تکتا دیکھ کر سنبھل گئے، "میں فون کرتا ہوں۔"

نمبر ملاتے وقت وہ سوچنے لگے: اگر ماسی بچ گئی تو؟ تو سارا ملمع اتر جائے گا۔ وہ یہ ذلت نہ سہہ سکیں گے۔

"ہوں۔ ڈاکٹر نے فون پر جواب دیا: ہلو!"
مگر انھوں نے مجرموں کی طرح چاروں طرف دیکھا اور فون رکھ دیا۔

ماسی دل کی پرانی مریضہ تھیں۔ بڑے سرکار نے بیکار جھوٹ بول کر اپنے ضمیر پر پتھر لاد لیے۔ اگر ڈاکٹر کو اطلاع بھی ہو جاتی تو وہ اس کے آنے سے پہلے ہی ختم ہو جاتیں۔

چاچی نے دم توڑنے سے پہلے بہت کچھ کہنا چاہا مگر زبان رکو ٹی۔ انھوں نے اوشا کا ہاتھ اُن کے ہاتھ میں تھمانا چاہا مگر وہ انجان بنے رہے۔ ماسی کے سرہانے بیٹھے سر پکڑے روتے رہے۔ کون جانے وہ ماسی کو رو رہے تھے یا اور موت کا ماتم کر رہے تھے، جو اُن کے وجود میں آہستہ آہستہ رینگتی چلی آ رہی تھی! سب یہی سمجھے کہ ماسی نے غصّے میں چاندنی کو مارا اس وجہ سے شاید دماغ کی کوئی رگ پھٹ گئی۔

بڑے سرکار نے اس کی تردید کرنے کی ضرورت نہ سمجھی اور چاندنی کی زبان نہ کھل سکی۔

ماسی کی موت کے بعد کئی مہینے تک خاموشی چھائی رہی۔ بڑے

سرکار بالکل ہی گوشہ نشین ہو گئے۔ اپنے کمرے میں اکیلے اپنے خیالوں کی دنیا میں کھو کر وہ اور بھی الجھ گئے۔ چاندنی بھی یہی کوشش کرتی کہ اس پر ان کی نظر ہی نہ پڑے۔

اوشا رانی پر سارے گھر کی ذمہ داری آن پڑی۔ اب تو وہ بالکل گھر والی معلوم ہونے لگیں۔ بالکل پرانی بیاہی بیوی کی طرح جسے شوہر گھر کے ساز و سامان کی طرح رکھ کر بھول گیا ہو۔

موسم میں کچھ ہیکلی کے جراثیم آ گئے تھے، ٹیسو کا جنگل دہک اٹھا تھا، بڑے سرکار کچھ بے چین سے رہنے لگے تھے مگر فضا ابھی چپ چاپ تھی۔

چاندنی بے خبری میں تیتری کی طرح ناچتی زینے پر سے اتری چلی آ رہی تھی۔ آج بڑی سرکار اکتا کر باہر نکل پڑے تھے اور پیانو کے پاس بیٹھے یونہی اکا دکا سُر چھیڑ رہے تھے، اسے دیکھ کر مہینوں کی دبی ہوئی چنگاری کو ہوا لگی اور ان کی انگلیاں پیانو کے پردوں پر بہکنے لگیں۔ چاندنی بوکھلا کر بھاگنے کو مڑی۔

"سنو!" سانپ کی پھنکار کی طرح ان کی آواز سرسرائی۔ چاندنی کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی۔

"ادھر آؤ۔" ان کی آنکھوں میں سے جیسے دو کالے ناگ نکل کر اس

کے جسم کے گرد لپٹ گئے۔ ایک انجانی طاقت سے کھنچتی ہوئی وہ ان کی طرف بڑھنے لگی۔ ہوا سکتے میں رہ گئی، فضا نے سانس روک لیا۔ بڑے سرکار کی نگاہیں لوہے کی گرم گرم سلاخوں کی طرح اس کے آر پار نکل گئیں۔

آہستہ سے انھوں نے اس کی مختصر سی کمر کو اپنے ہاتھوں کے حلقے میں جکڑ لیا۔ ہاتھ ہولے ہولے اوپر سرکنے لگے۔ اوپر۔ اور اوپر۔ مفلوج پرندے کی طرح وہ ڈھیلے ہاتھ چھوڑے لرزتی رہی۔ ایک ہلکے سے اشارے پر وہ ان کے سینے سے لگ گئی۔

دھڑ دھڑ کرتا چندر طوفان میل کی رفتار سے سبز جنگلوں پر سے اترا۔ ایک دم فضا چیخ کر جاگ اٹھی، چاندنی بڑے سرکار کے ہاتھوں سے نکل کر چندر سے لپٹ گئی۔

"چندر جی۔ چندر۔"

بڑے سرکار نے اپنے خالی ہاتھ پیانو کے سروں پر دے مارے اور ان پر اپنا سر ڈال دیا۔ یوں بڑے بھائی کے سامنے چاندنی کا لپٹنا اسے بڑا ناگوار گزرا۔

"ارے ارے۔ بڑے بھیّا بیٹھے ہیں پگلی۔"

چاندنی گھبرا کر دور ہٹ گئی اور مرے مرے قدموں سے اوپر چل

دی۔

"کیا ہوا بڑے بھیّا۔" وہ انھیں سرنگوں دیکھ کر گھبرا گیا۔ "کیا سر میں درد ہے؟"

"آئیں۔ ہاں۔"

"اُفوہ! آپ دن بھر پڑھا کرتے ہیں۔ میں ابھی ٹھیک کیے دیتا ہوں۔"

"چاندنی۔" اس نے زینے کے پاس جا کر پکارا۔

چاندنی نے مری ہوئی آواز میں کہا: "کیا ہے چندر جی۔"

"ذرا دیدی کے کمرے سے بادام کے تیل کی شیشی تو لے آؤ۔" اس نے ہانک لگائی "بڑے بھیّا آپ ذرا آرام سے کرسی پر لیٹ جائیے۔" اس نے انھیں لٹا کر جوتوں کے بند کھولنے شروع کیے۔

چاندنی تیل لے کر آئی تو اس نے کہا:

"ذرا بھیّا کے سر میں تیل ڈالو۔" وہ اُن کے پیر دبانے لگا۔

"میں؟ چندر جی؟"

"ہاں۔"

"ہیں۔ مجھے کام ہے۔ تم ڈال دو نا۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"ارے میں ٹینس کی پریکٹس کے لیے جا رہا ہوں۔ ہاتھ چکنے

ہو گئے تو ریکٹ پھسل جائے گا۔"
"دھولینا ہاتھ۔"
"بکو مت۔ تم ڈال دو گی تو کون سا تمھارا دم نکل جائے گا۔"
جتنا اکیلے میں چاندنی سے دبتا تھا اتنا ہی سب کے سامنے دکھانے کے لیے اس پر رعب جماتا تھا۔
"رہنے دو چندر، آپ ہی ٹھیک ہو جائے گا۔" بڑے سرکار بڑی معصومیت سے کراہے۔
"ارے واہ، بھلا آپ ہی کیسے ٹھیک ہو جائے گا؟ چاندنی!"
چاندنی اس کی آواز کے روکھے پن سے سہم کر تیل ڈالنے لگی، بڑے سرکار اس کی گھبراہٹ کا مزہ لینے لگے۔
چندر آج کا اخبار کہاں ہے؟" انھوں نے اخبار پہلو میں دبا کر پوچھا۔ چاندنی کے پسینے چھوٹنے لگے۔
"آپ کے کمرے میں ہوگا۔"
"نہیں، وہاں تو نہیں ہے۔"
"تو شاید برآمدے میں رکھا ہوگا، لاؤں؟"
"پلیز۔"
"اور وہ ریکٹ کی بلٹی چھڑانا ہے۔" چندر نے دبی زبان سے کہا۔

"بٹوہ سرہانے ہوگا۔"

"ابھی لایا۔" چندر سیڑھیوں پر لپکا۔

"چندر جی۔" چاندنی کی مری ہوئی آواز حلق میں ہی اٹک گئی۔

"بڑے سرکار کے چہرے پر خبیث مسکراہٹ لرزنے لگی، نتھنے پھیل گئے۔ اگردن کی رگیں پھڑپھڑانے لگیں۔ کنپٹی کھجانے کے بہانے انھوں نے چاندنی کی انگلیاں چھولیں۔ لرز کر چاندنی نے ہاتھ سمیٹ لیا۔

اس کی نظریں زینے پر لگی تھیں کہ کب گدھا چندر اخبار ڈھونڈ کر لائے تو اس کی گلو خلاصی ہو۔ کاش اخبار چھپا تا دیکھ کر ہی وہ چلانے لگتی ۔ مگر اس میں کہاں اتنا دم تھا؟ بڑے سرکار نہایت مکاری سے انجان بنے بار بار اس کی انگلیوں سے چھیڑ چھاڑ کیے جا رہے تھے۔

چاندنی کی دعا قبول ہوگئی۔ او شامانی رسوئی کی طرف سے لوٹ رہی تھیں۔ کوئی بڑے سرکار کا کام کرے، یہ ان کی حق تلفی تھی۔ ہونے سے آکر انھوں نے چاندنی کو ہٹا دیا اور خود سر تھپکنے لگیں۔ ایک دم بڑے سرکار نے حیرت سے آنکھیں کھول دیں، ان کے دل میں خوشی سے مور ناچنے لگے۔ انھوں نے پھر بڑی ہوشیاری سے ہاتھ چھونے کی کوشش کی۔ جب کوشش الٹی ادھر سے بھی ہونے لگی تو ان پر نشہ طاری ہوگیا۔

اوشا کھل کر پھول کی طرح مہک اٹھیں۔ مزاحمت نہ پاکر پہلے سے انھوں نے ان کی انگلیوں میں اپنی کانپتی ہوئی انگلیاں سونپ دیں۔ بڑے سرکار نے ناخون ان کی ہتھیلی میں آہستہ سے گاڑ دیا۔ مسرت سے جھوم کر اوشا نے آنکھیں بند کر لیں۔ ہمت اور بڑھی اور بڑے سرکار نے ان کا ہاتھ کھینچ کر اپنے رخسار پر رکھ لیا۔ ذرا سی ڈھیل کی بات تھی، اوشا رانی پکے پھل کی طرح بڑے سرکار کی گود میں آرہیں۔

بڑے سرکار پر جیسے آسمان پھٹ پڑا۔ وہ انھیں دور جھٹک کر ایک دم کھڑے ہو گئے، جیسے کسی نے ان پر بھر ٹوکری سانپ لوٹ دیے ہوں۔ اوشا رانی بے سہارا ہو کر دھڑام سے پکے فرش پر گریں۔ اچانک یوں رنگ میں بھنگ کی وجہ تھوڑی دیر ان کی سمجھ میں نہیں آئی اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے بڑے سرکار کی شعلہ بار آنکھوں کا جلال دیکھ کر کانپ اٹھیں۔

"ہوں، سمجھی!" انھوں نے فوراً ہی معاملے کی تہہ کو پہنچ کر سر ہلا دیا۔

"کیا سمجھیں؟ تم کچھ نہیں سمجھیں۔ سمجھنے کی طاقت ہوتی تو۔"

"تو؟"

"تو۔ تو یہ کہنے کی ضرورت نہ پڑتی کر۔ کر۔ اُفوہ!!"

اوشا کی آنکھوں سے بڑے بڑے آنسو ڈھلکتے دیکھ کر وہ پست ہو گئے۔

"میرا کوئی کام آپ کو پسند نہیں؟"

"مگر تم آخر میرے ہی پیچھے کیوں پڑی ہو۔ گھر کا اور کوئی کام کیوں نہیں کرتیں؟"

"میرا ہاتھ لگانا آپ کو اتنا ناگوار گزرا؟ اور وہ۔ وہ۔"

"کون؟" بڑے سرکار گرجے۔

"آپ جانتے ہیں کون۔ آپ نے اس کا ہاتھ سمجھ کر پکڑا تھا۔"

اوشا رانی اتنی ہتک نہ سہار سکیں اور سسکنے لگیں۔

"بند کرو بکواس! بیوقوف۔ کیا۔ کیا تم مجھے بدنام کرنا چاہتی ہو؟ ۔۔۔ تم!" انھوں نے اوشا کے کندھے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔ وہ بری طرح روتی ہوئی ان کے چرنوں پر گر گئیں:

"بھگوان کے لیے ایسا نہ کیجیے۔ میں مر جاؤں گی، مجھے یوں نہ ٹھکرائیے۔"

"اوشا رانی، یوں عورت جاتی کی ہتک کرنے سے تو اچھا ہے تم مر ہی جاؤ۔ بھگوان کے لیے مجھے مجبور نہ کرو۔"

اُوشا رانی کی حمیت نے ذرا آنکھ کھول کر انگڑائی لی۔

"آپ یہ اچھا نہیں کر رہے ہیں، پچھتائیں گے۔"

"تمھاری بلا سے۔ تمھیں میرا اتنا درد کیوں ہے؟"

"اس لیے کہ۔ کہ۔ آپ تو خود جانتے ہیں یہ اپنے بس کی بات نہیں ہوا کرتی۔"

"اوہ، میرا دماغ نہ چاٹو۔ جاؤ۔"

"میں۔"

"کہتا ہوں جاؤ!"

اوشا سسکیاں روکتی بھاگیں ایک دم بڑے سرکار سہم گئے۔

"اوشا سنو اوشا، تمھیں ہماری سوگند۔"

اوشا زخمی ہرنی کی طرح ٹھٹک گئیں۔

"بھئی بڑی بیوقوف ہو۔ مذاق میں ہی رو پڑیں!" انھوں نے آہستہ سے اس کی ٹھوڑی چھو کر کہا۔ اوشا احمقوں کی طرح تکنے لگی۔ "چندر نے زبردستی کہا تیل ڈال دو۔ میں انکار نہ کرسکا۔ پھر تم آگئیں تو مجھے فوراً پتہ چل گیا۔ مگر یو نہیں نہ جانے کیا دل میں سمائی کہ تمھیں ستانے کے لیے۔ ذرا مذاق میں کھینچا، تم گر پڑیں تو میں گھبرا گیا۔ تم ہی سوچو۔ میں سمجھا تھا تم ہاتھ چھڑا لوگی۔"

"اوہ۔" اوشا اپنا ہی سارا قصور جان کر شرم سے سرخ ہوگئیں۔

"اگر تمھیں ناگوار گزرا تو معاف کر دو، غلطی ہوئی۔"

"مگر۔ مگر آپ کو پسند نہیں کہ میں آپ کا کوئی کام کر دوں؟"

"بالکل پسند نہیں، اور جب تمھیں کام کرتے دیکھتا ہوں تو خون کھول جاتا ہے۔ اتنے نوکر کس لیے ہیں؟ بس تم ضد کرتی ہو تو الٹی سیدھی باتیں منہ سے نکل جاتی ہیں، بعد میں افسوس ہوتا ہے۔ معاف کر سکو گی؟"

"کوئی بات نہیں۔" اوشا اور شرمائی۔

"ارے تمھاری کہنی چھل گئی۔ بھئی میں بڑا ذلیل ہوں۔"

"نہیں۔ نہیں ایسی کچھ زیادہ چوٹ نہیں لگی۔"

اوشا بیچاری نے عاشقوں کے اور کوئی طور طریق تو دیکھے نہ تھے دل میں سمجھیں یہی لطف ہوا کرتا ہوگا عاشقوں کا۔ مسکراتی رہیں۔ اتنے میں چندر آگیا۔

"کہیں نہیں ملا اخبار۔ ارے یہ تو یہاں پڑا ہے۔" بڑے سرکار ہڑبڑا کر اٹھے تو پہلو سے اخبار ٹپک گیا تھا۔ "تم ایسے طوفان کی طرح گرجتے برستے زینے پر چڑھتے ہو کر پکارا بھی پر تم نے نہ سنا۔"

چندر کھسیا کر جانے لگا۔

"ارے چندر ادھر آؤ، اخبار اٹھانے لاؤ۔" پھر انھوں نے بیٹھ

سودائی

کر چندر سے اسپورٹ کالم پر مباحثہ شروع کر دیا۔

اوشا چندر کی جان کو کوستی ٹھنڈی سانس بھر کے چلی گئیں۔ ایک ذرا سا موقعہ ملا تھا، اچھا خاصہ امید افزا کوسین چل رہا تھا کہ یہ منحوس ٹپک پڑا، معاملہ چوپٹ ہو گیا۔ خیر آج رات جب خوابوں کا تانا بانا بُنا جائے گا تو وہ ان کے ہاتھ کا لمس، وہ ان کی آغوش کا ایک لمحہ، وہ ٹھوڑی پر انگلیوں کا چھونا۔۔ سب ہی تو اجاگر ہو کر دل کے سونے پن کا سہارا بن جائے گا۔

پے در پے ناکامیوں سے بجائے چاندنی کا سودا کم ہونے کے اور عجیب عجیب شکلیں اختیار کرنے لگا۔ اگر بڑے سرکار معمولی انسان ہوتے تو شاید حالات اتنی نازک صورت نہ اختیار کرتے، انھیں اُوشا سے پیار ہو جاتا یا عورت ذات سے نفرت ہو جاتی اور سدا کنوارے رہنے کی قسم کھا لیتے۔ مگر وہ آہستہ آہستہ قوت ارادی کھوتے جا رہے تھے۔ ان کی وحشتیں اور بڑھ رہی تھیں: رات رات بھر سردی میں ننگے پیر کھلی چھت پر ٹہلا کرتے۔ اگر رات گئے آنکھ لگ بھی جاتی تو ان کے دماغ میں جو بھوت پریت قید تھے، آزاد ہو کر اودھم مچانے لگتے۔ اور تب ان کا بس نہ چلتا؛ وہ ان کا شعور من مانی کرنے پر تل جاتا۔ کبھی چونک کر جاگ پڑتے تو انھیں معلوم ہوتا نہ جانے رات کو کس وقت، وہ نیند میں

چل کر چاندنی کے دروازے تک پہنچ گئے ہیں، اس کی دہلیز پر سر ٹکائے آنسو بہا رہے ہیں۔ جب ہوش ٹھکانے ہو جاتے تو شرم اور ذلت سے مضمحل ہو کر وہ بھاگ کھڑے ہوتے۔ رات کے سناٹے میں وہ دور دور جنگل میں بھٹکتے چلے جاتے۔ تب تو انھیں نیند سے بھی ڈر لگنے لگا کیونکہ وہ اسی طرح بجائے دروازے کے تاریک راستوں سے گزرتے ہوئے اس برج پر پہنچ گئے جہاں سے چاندنی کے کمرے کی کھڑکی تک پہنچنے کے لیے ایک نہایت خطرناک پتلی سی منڈیر پر چل کر جانا پڑتا تھا۔ اپنے ہوش و حواس میں ہوتے تو ان کی کبھی ہمت نہ پڑتی کیونکہ منڈیر اتنی بوسیدہ اور پتلی تھی کہ کوئی بندر یا بلی ہی چل سکتی تھی۔ اس پر نیند میں جب پانچوں حواس سو رہے تھے۔ چاندنی کی لگن ایک چھٹی حس بن کر انھیں گھسیٹے لیے جا رہی تھی۔ ساری کمزوری اور خوف اس چھٹی حس کا تابع ہو کر سو رہا تھا صرف ایک انجانی آسیبی طاقت جاگ رہی تھی۔ ایک دل دوز چیخ سناٹے کو توڑتی ہوئی دور پہاڑیوں پر سر پٹخ کر واپس پلٹی۔ آسمان نے ایک تارا اٹوٹا اور لمبے شگاف کے سرسے پہ دم توڑ کر ڈوب گیا۔ بڑے سرکار ایک خاموش دھماکے سے جاگ پڑے۔ انھوں نے دیکھا وہ کھڑکی تک پہنچ چکے ہیں، شیشہ ننگے ہاتھ سے توڑنے کی وجہ سے بری طرح خون میں تر ہو رہا ہے۔ ایک دم چھٹی حس جو سوتے میں

انہیں بہکالائی تھی اب تنہا چھوڑ کر غائب ہوگئی۔ ان کی نظر نیچے کھاڑی کی طرف گئی تو ساری کائنات ہنڈولے کی طرح چکر کھانے لگی۔ سب کو جان پیاری ہوتی ہے اور اس وقت بڑے سرکار دیوتا نہیں ایک معمولی سے سہمے ہوئے انسان تھے۔ دیوار سے چپک کر انھوں نے آنکھیں بند کر لیں۔

چاندنی کی مسلسل چیخوں سے گھر میں جگار ہو گئی۔

"وہ — وہ —" چاندنی دیوانوں کی طرح کھڑکی کی طرف اشارہ کر رہی تھی، "بڑے — بڑے سرکار —" اور وہ وہیں چندر کی بانہوں میں ڈھیر ہوگئی۔ اسے پمو کے ہاتھوں میں سنبھال کر جب چندر کھڑکی پر آیا تو اوشا دیدی وہاں پہلے ہی پہنچ چکی تھیں۔

"کون تھا؟" چندر کھڑکی کھولنے لگا۔

"نہیں — کوئی نہیں تھا —" اوشا کی چیخ نکل گئی۔ انھوں نے دونوں ہاتھوں سے کھڑکی کے پٹ تھام لیے۔

"مجھے دیکھنے تو دیجیے۔ اگر کوئی تھا تو اتنی جلدی بھاگ نہیں سکتا۔"

"نہیں۔" انھوں نے چندر کو دھکا دیا۔ وہ جانتی تھیں کہ اگر بڑے سرکار کا پول کھل گیا تو وہ زندہ نہ رہ سکیں گے۔ پٹ بند کرنے سے پہلے اس نے ان کا خون میں نہایا ہوا ہاتھ اور ان کی انگوٹھی دیکھ کر پہچان لیا تھا۔ انھیں

بہت دن سے شبہہ ہو رہا تھا۔ محبوب اپنے دیوانے سے دل کا حال کب تک چھپا سکتا ہے! مگر وہ ان کی محبوبہ نہیں بچارن تھیں۔

"نہیں چندر و چور ہو گا تو تیری گردن کاٹ لے گا۔" پمّو چلائی۔

"اگر ان کا پیر پھسل گیا تب بھی موت واقع ہو گی۔" اوشا نے دانت بھینچ کر سوچا، مگر بڑے سرکار کے ناموس پر دھبہ تو نہ لگے گا۔ آنے والے حادثے کے خوف سے وہ سر سے پیر تک کانپ رہی تھیں۔ سناٹے پر کان لگائے کھڑی تھیں کہ بڑے سرکار آہستہ آہستہ سرک رہے تھے ایک پتھر ٹھوکر کھا کر گرا اور دور تک شادی میں سر ٹکراتا چلا گیا۔ اوشا سے ایک گھٹی ہوئی سسکی بھری۔

"باہر کوئی ہے، مجھے دیکھنے تو دیجیے۔" چندر نے انھیں ہٹانا چاہا مگر وہ اعصاب کے تناؤ سے بپھر کر ایسی بری طرح چیخیں کہ وہ گھبرا گیا۔

"چندر و بھیا کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑا ہے۔" پمّو نے اپنے بھولپن سے موقعے کی نزاکت کو سنبھال لیا۔ "اوشا دیدی اسے مت جھانکنے دیجیے گا۔"

"تم لوگ اپنے اپنے کمرے میں جاؤ۔ پموجی چاندنی کو میرے کمرے میں لے جاؤ۔"

"میں بھی وہیں سو جاؤں؟"

سودائی

"ہاں۔ میں یہاں سو جاؤں گی۔"

"نہیں اوشا دیدی، چور پھر آیا تو۔"

"نہیں بی بی چور اب نہیں آئے گا۔" اوشا نے مہین، مری ہوئی آواز میں کہا۔

"چاندنی تو نے اپنی آنکھوں سے چور کو دیکھا؟" پمو نے پوچھا۔

"چور نہیں — وہ —" چاندنی ایک دم چپ ہو گئی۔

"چور نہیں تو پھر کون تھا؟"

"کوئی نہیں۔" چاندنی جز گئی۔

"تو پھر کیوں چیخی؟"

"سپنے میں ڈر گئی تھی۔"

"مگر۔ شیشہ کس نے توڑا؟"

"میری جان نہ کھا پمو۔" چاندنی رو پڑی۔

"ارے واہ، ہم تو پوچھ رہے ہیں۔" پمو اداس ہو گئی۔

"نہ پوچھ، بس سو جا پمو رانی۔" چاندنی نے پیار سے کہا۔

"چاندنی؟" پمو نے سونے سے پہلے پوچھا۔

"ہوں؟"

"تو نے بڑے بھیا کو پکارا تھا۔"

"میں نے؟ نہیں تو۔"

"ہاں جب میں جاگی تو تو بڑے سرکار، بڑے سرکار چلا رہی تھی۔"
پمّو نے اس کی نقل کی۔

"اچھا؟ مجھے یاد نہیں۔"

"مگر شاید بڑی گہری نیند سو رہے ہیں، وہ تو اٹھے بھی نہیں۔"

"ہوں۔ چاندنی نے دوپٹے سے منہ ڈھانک لیا۔ وہ کیسے بتائے پمّو کو؟ مگر اس سے بہتر موقع پھر نہ ملے گا، وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"پمّو۔"

"ہاں۔"

"تجھے میری بات کا وشواش ہو گا؟"

"ہاں کیوں نہیں۔"

"اگر میں چندر جی کی قسم کھا کر کہوں تب یقین کرے گی۔"

"ہاں کیا بات ہے؟"

"وہ شیشہ سنگھ اس سے زیادہ وہ نہ کہہ سکی۔ دروازے پر اوشا کھڑی تھیں، موم بتی کی روشنی میں اس نے دیکھا ان کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے ہیں

"تو کیا کہہ رہی تھی۔" نیم تو نے اوشا کو نہیں دیکھا تھا۔

"اگر تمھیں رات کے دو بجے بکواس کرنی ہے تو نکلو یہاں سے۔" انھوں نے ڈانٹا۔

"مگر اوشا دیدی چاندنی کے کمرے میں تو۔۔"

"ہاں وہیں جاؤ تم دونوں۔ چور تمہارا گلا دبا دے تب مزہ آئے۔ بھلا رات کے وقت چاندنی نے کیا دیکھا ہوگا کہ کون تھا! اور ہوگا کون! یہ نیچے کباڑی میں چور اٹھائی گیرے بھرے پڑے ہیں۔"

"مگر کوئی چیز ھا کیسے ہوگا؟" بموں نے جرح کی۔

"مجھے کیا معلوم کیسے چڑھے ہوگا۔ میں کوئی چور ہوں! صبح پتہ چل جائے گا سب۔ اب چپ چاپ سو جاؤ۔"

انھوں نے الماری میں سے فرسٹ ایڈ کا بکس نکالا اور باہر سے دروازہ بند کر کے چلی گئیں کہ کہیں بموں ان کے پیچھے ٹوہ لینے نہ آئے۔

"کس کے لگی چوٹ؟" بموں نے پوچھا۔

"شی۔" چاندنی نے کروٹ لے لی۔

"اوشا دیدی تو چور کی جیسے سگی ہیں۔ ایسی حمایت کر رہی ہیں کہ بات ہی نہیں کرنے دیتیں۔"

"سو جا رانی۔" چاندنی نے خوشامد کی۔

"میں بتاؤں!" مِنّو نے اچھل کر کہا۔

"کیا؟"

"کوئی اوشا دیدی کا چہیتا ہوگا۔ کان سے عشق لڑانے آیا ہوگا۔ بھولے سے ادھر آ گیا۔"

پریشانی کے باوجود چاندنی ہنس پڑی: "پگلی پگلی۔"

"سچی یہی معاملہ ہوگا، جب ہی تو اس کی زبان کیسے جا رہی ہیں۔ خود تو گردن نکال کر جھانک لیا، چند دیدیا کو ڈانٹنے لگیں۔ وہ دیکھ لیتے تو پکڑا جاتا نہ ان کا چہیتا۔"

"مِنّو اگر تو بکواس بند نہیں کرے گی تو میں سر پیٹ لوں گی۔" چاندنی نے ڈانٹا اور مِنّو چپ ہو گئی۔

مِنّو تو سو گئی مگر چاندنی آنکھیں پھاڑے چھت کو گھورتی رہی۔ آنکھیں بند کرتے ڈر لگتا تھا۔ بار بار اس کی نظریں دھندلی دھندلی پُر اسرار کھڑکیوں کی طرف جا رہی تھیں، جیسے ہر کھڑکی کے ساتھ کوئی اجنبی لگا کھڑا تھا۔ ادھر اس کی آنکھ لگی اُدھر وہ آیا جھپٹ کر اس کی چھاتی پر اپنی بے بسی پر اُسے رونا بھی آرہا تھا اور غصہ بھی۔ ہائے وہ کمبخت کیوں پیدا ہوئی تھی؟ وہ نہ ہوتی تو کون سی دنیا سنسان رہ جاتی۔

فرسٹ ایڈ کا بکس لیے پہلے اوشا بھاگتی ہوئی چاندنی کے کمرے

میں ہینچیں دھڑکتے دل سے انھوں نے کھڑکی کھول کر ٹارچ ڈالی، وہاں کوئی نہ تھا۔ نہیں، وہ نیچے نہیں گرے ورنہ آواز سنائی دیتی۔ دوسرے ٹارچ کی روشنی میں انھوں نے دیکھا دیوار پر جہاں سہارا لیا تھا خون کے دھبے تھے، مگر پر بھی خون کی بوندیں تھیں۔ انھوں نے یہ دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا کہ وہ برج تک صحیح سلامت پہنچ گئے۔

تیز قدموں سے وہ اُن کے کمرے کی طرف جھپٹیں۔ اندر داخل ہوئیں تو وہ الماری کی دراز میں کچھ ڈھونڈ رہے تھے۔ آہٹ سن کر وہ پلٹے تو ان کے ہاتھ میں پستول تھا۔ اوشا نے جیسے کچھ نہیں دیکھا، آہستہ سے بکس میز پر رکھ دیا۔ اسٹول پر بیٹھ کر بڑے اطمینان سے اسپرٹ، روئی اور پٹی نکالی۔

"قینچی کہاں ہے؟" اوشا نے میز کی دراز کھینچ کر قینچی نکالی۔

"ادھر بیڈ ہی پر بیٹھ جائیے۔" بڑی لاپرواہی سے کہا۔

بڑے سرکار کی آنکھوں میں خون اُتر کر جم گیا تھا، گال اندر کو اور دھنس گئے تھے جیسے وہ برسوں کے بیمار ہوں، برج پر کانٹوں دار جھاڑیاں تھیں جن کی وجہ سے کپڑے تار تار ہو گئے تھے۔ یونہی پستول لیے وہ اوشا کے سامنے رک گئے اور پاگلوں کی طرح اسے گھورنے لگے پستول کی نالی اپنی کنپٹی سے اتنے قریب دیکھ کر وہ نہ لرزی نہ کانپی، نہ موت

سے ڈری ۔ جیسے موت کی کڑواہٹ بھی زندگی کی تلخیوں کے مقابلے میں پھیکی پڑ چکی ہو۔ اسپرٹ میں روئی بھگو کر وہ ان کی طرف مڑی۔ آنکھیں چار ہوئیں اور چند لمحوں کے لیے پیچ لڑتے رہے۔ بڑے سرکار کی آنکھوں میں نفرت کا زہر تھا، حقارت اور نامرادی تھی، اوشا کی آنکھوں میں اتھاہ محبت کی مٹھاس تھی، نرمی اور پیار تھا۔

بڑے سرکار کی نظریں جھک گئیں! ان کے ہاتھ سے پستول چھوٹ پڑا اور دوسرے لمحے وہ اس کی گود میں سر ڈال کر ننھے بچے کی طرح سسکنے لگے :

"اوشا رانی ہمیں ۔ ہمیں بچالو۔ اوشا ہم سے شادی کرلو، ابھی، اسی وقت ۔ اوشا۔ ورنہ ۔ ورنہ میں پاگل ہوجاؤں گا، میرا دماغ پھٹ جائے گا۔ اوشا مجھے بچاؤ ۔"

اوشا ایک بار تلملا کر رہ گئی، جیسے کسی نے دستے تک چاقو اس کے کلیجے میں اتار دیا ہو۔ اس نے چاہا آج پوچھ ہی ڈالے :

"کیا واقعی آپ مجھ سے اتنی سخت نفرت کرتے ہیں ؟ کیا آپ سے محبت کر کے میں نے اتنا بڑا پاپ کیا ہے کہ اس کی اور کسی طرح پراشچت نہیں ہو سکتی ؟ مگر اس وقت تو میرے دل میں نہ محبت ہے نہ آپ کے لیے نفرت، ایک خلا ہے! شاید ساری عمر آپ کا نمک کھایا ہے، وہی

رگ رگ میں بس چکا ہے۔"

مگر اس نے کچھ بھی تو نہ کہا۔ صرف ایک بار تھکی تھکی بیزار آنکھوں سے نظر بھر دیکھا اور ایک زہریلی مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی۔ چپ چاپ سر جھکائے وہ پٹی باندھتی رہی، پھر فرسٹ ایڈ کا بکس بڑی نفاست سے سمیٹا اور دروازہ بھیڑ کر چلی آئی۔

وہ رات اوشا نے برآمدے میں ٹہل ٹہل کر گزاری۔ کتنی تنہائی ہے اس کے نصیب کی! دنیا کتنی اکیلی ہے! ماسی کی موت کے بعد سے تو وہ بالکل بنا گائے کے بچھڑے کی طرح گھوم رہی تھیں۔ بڑے سرکار پر کسی قسم کا الزام رکھنا انھوں نے سیکھا ہی نہ تھا۔ ماسی کے حکم کے مطابق وہ انھیں ہر الزام سے بری سمجھتی تھیں۔

"قدرت ان کا امتحان لے رہی ہے۔ دیوتاؤں کو ان سے بیر ہو گیا ہے کیونکہ وہ دیوتاؤں سے بھی اونچے ہیں، عام دھرتی پر رینگنے والے کیڑوں سے بلند و برتر ہیں اس لیے چاندنی کو آسمان سے انھیں نشٹ کرنے کے لیے اپسرا کے روپ میں اتارا ہے ورنہ وہ اتنے نیچ نہیں جو ایک بچی پر بری نظر ڈالتے۔ ساری شیطانی طاقتیں ایک گمنام لڑکی کا روپ دھار کر انھیں ورغلا رہی تھیں۔ وہی تھے جو یوں چپ چاپ جہنم کا عذاب بھوگ رہے تھے۔ کوئی اور ان کی جگہ ہوتا تو اپنی واسنا

پوری کرکے تباہ کرنے والی کو ہی تباہ کر دینا۔ آسمان پر جگ مگانے والے سوریہ دیوتا کی بڑائی یہی ہے کہ وہ خاک کے ذروں کو تمازت بخشتا ہے، دھول کو اٹھاکر سر پر نہیں چڑھالیتا ہے۔ تبھی تو وہ اپنی ہستی کی بازی لگائے قسمت کے لکھے کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ اور اوشا کی جگہ ان کے چرنوں میں ہے۔ وہ اس کے گرو دیوتا اور مالک ہیں۔ نہ جانے پچھلے جنم میں کون سے پن کیے تھے کہ ان کے پریم کا جان لیوا روگ انعام میں ملا ہے۔ ان کی ٹھوکر ہی میں ساری عزت ہے۔ کون جانے دیوتا کا کون سا روپ اصلی ہے اور کون سا عکس بہروپ۔ چاندنی کے بیسے ان کے دل میں واسنا ہو سکتی ہے مگر پریم وہ کسی سے نہیں کرتے! اگر کرتے ہیں تو وہ اُسی اپنی داسی سے کرتے ہیں! اگر انہیں کوئی روگ لگ گیا ہے تو کیا یہ اس کا دھرم نہیں کہ اپنے جیون کی آہوتی دے کر انھیں بچا لیجئے؟ جب ٹہلتے ٹہلتے ٹانگیں شل ہوگئیں اور سوچتے سوچتے دماغ سُن ہو گیا تو اوشا نے میرا کے بھجنوں کی کتاب اٹھا کر اپنے درد کی آواز کی گونج ان میں پالی اور اس کا جی ٹھہر گیا۔

میرے تو گرو ھر گوپال
دوسرا نہ کوئی۔

وہ دھیمی آواز سے پڑھتی رہی، جھومتی رہی۔ سارا سنسار سو رہا تھا، ایک نامراد عورت اپنے سنسان دل میں غموں کا چراغ جلا رہی تھی، مگر رات اتنی ہی تاریک تھی۔

ٹھٹک کر اس نے کچھ سوچا، نہ کسی کو ساتھ لیا نہ روشنی کی فکر کی، سر پر شال اوڑھ کر وہ تیز تیز قدم اٹھاتی سرناد یوی کے مٹھ کی طرف روانہ ہو گئی۔ راستے کے گھنے جنگل کی سیاہی کو بھی اس نے نہیں محسوس کیا۔ کبھی اُدھر باگھ بھی لگا کرتا تھا، ٹیکری پر سانپ اور بچھو کا بھی ڈر تھا مگر اوشا کے پریم کی جوت نے سارے سنسار میں چراغاں سجا دی تھی۔ اور راستہ کہکشاں کی طرح جگمگا رہا تھا۔ دور کہیں سیار ماتم کر رہے تھے، اُلّو ان کی سنگت میں چیخ رہے تھے مگر اوشا ستی ساوتری کی طرح اپنے سہاگ کی رکشا کی دھن میں مست چلی جا رہی تھی۔

چاندنی نے ایسے چیخ ماری جیسے گیلری میں چندر نہیں کوئی بھوت مل گیا ہو۔ اوشا کے کمرے میں اُسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ ہر چہار طرف انجانا سامان نئی نئی بھیانک صورتیں اختیار کر رہا تھا سب دروازے اور کھڑکیاں بند کر لیں تھیں مگر بار بار اُدھر ہی نظریں اٹھ جاتی تھیں۔ بہت دھیان بٹایا مگر کھڑکیوں اور دروازوں کی طرف سے اطمینان ہو جاتا تو معلوم ہوتا ہولے ہولے دیوار شق ہو رہی ہے اور کالے کالے سائے اس کی طرف بڑھ رہے ہیں، کوئی دم میں اسے دبوچ لیں گے۔

نیند سے ڈر لگ رہا تھا۔ اٹھ کر اس نے منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے اور کپڑے بدل کر باہر نکلی۔ لمبا رستہ سنسان پڑا تھا ڈھلتی ہوئی رات کی دھندلی نیلگوں روشنی میں سائے لپکتے ہوئے اس پر حملہ کر رہے تھے۔ تیز تیز چلتی ہوئی جونہی وہ موڑ پہ پہنچی چندر سے ٹکر ہو گئی اور اس کی چیخ نکل گئی

"ارے واہ پگلی، اب تو مجھ سے بھی ڈرنے لگی ؟" چندر ڈر کر ہنسنے لگا۔

"چندر جی ۔ ہائے میں مرجاؤں گی ۔" وہ اس کے گریبان پر منہ رکھ کر ہچکیوں سے رونے لگی۔

"تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے ۔ مجھے ایسا معلوم ہوا پھاٹک کھول کر کوئی باہر گیا ہے، میں سمجھا کہ کہیں تو نہ ہو۔"

"مجھے ڈر لگ رہا ہے چندر، اس گھر کی دیواروں سے مجھے خوف آنے لگا ہے ۔ مجھے زندہ نگل جائیں گی مجھے یہاں سے لے چلو نہیں تو میرا دم نکل جائے گا۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو چاندنی ؟"

"اگر تم مجھے یہاں سے نہیں لے جاؤ گے تو میں خود چلی جاؤں گی۔" اس نے بپھر کر چندر کو دور ڈھکیل دیا۔

"مگر کوئی وجہ بھی ہو۔ تیرے ہاتھ کتنے ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔" چندر اس کے چھوٹے چھوٹے سرد ہاتھ بھاپ سے گرم کرنے لگا۔

"وجہ ؟ وجہ میں یہاں نہ بتا سکوں گی ۔ بس کہے دیتی ہوں تو اس وقت مجھے یہاں سے نہیں لے گیا تو صبح میری لاش ہی ملے گی۔"

"چاندنی ! ایسی باتیں نہ کر، میں تیرے ساتھ ہی مر دوں گا۔" چندر نے اسے لپٹا لیا۔

"مگر میں تو مرنا نہیں چاہتی۔ اسی آس پر تو جی رہی ہوں کہ ایک دن تو میری مانگ میں سیندور ڈالے گا۔ بس پھر تیرے سینے پر سر رکھ کر مر جاؤں گی۔ مجھے یہاں سے نکال لے چل۔ مجھے مت مار چندر۔"

"کون مار رہا ہے تجھے۔ میں کل تجھے ڈاکٹر کو دکھاؤں گا۔"

"ڈاکٹر کے پاس موت کا علاج نہیں۔"

"مگر۔"

"اگر مگر نہ کرو، پچھتاؤ گے۔ تم مجھے ایک دفعہ یہاں سے دور لے چلو پھر میں سب کچھ بتا دوں گی۔ اگر میرا شبہ جھوٹا ہو تو لوٹ آنا۔"

"یہاں نہیں بتائے گی۔"

"راستے میں بتا دوں گی۔"

"صبح تو ہو لینے دے۔"

"نہیں، صبح تک شاید مجھ میں جینے کی ہمت نہ رہے۔"

"اچھا یہ چابی لے، تو کوٹ پہن کر موٹر میں بیٹھ، میں اٹھ کر یونہی چلا آیا۔" چابی لے کر چاندنی نے کمرے میں واپس جا کر کوٹ پہنا۔ ایک نظر غافل سوئی پپو کو دیکھا تو جی بھر آیا۔ اس کے بالوں کو آہستہ سے چوما اور نیچے اتر گئی۔ اس نے موٹر کھول کر چندر کا انتظار کرنا شروع کیا۔

"کتنی دیر لگا دی تو نے۔" وہ آیا تو چاندنی نے پیار سے اس کے

ہاتھ پر چابی مار کر کہا۔ ابھی سے اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہونے لگا چندر نے کچھ جواب نہ دیا تیزی سے موٹر اسٹارٹ کر دی۔ موٹر پہ سیاہ کپڑے پہنے کوئی راہ گیر ایک دم سامنے آگیا مگر چندر نے موٹر کی رفتار کم کرنے کے بجائے اور بڑھا دی۔ چاندنی چیخ مار کر اُسے جھنجھوڑنے لگی اور راہ گیر بال بال بچا۔

"تجھے غصہ آرہا ہے چندر جی۔" چاندنی اس کے بازو سے لگ کر بولی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ بات کہاں سے شروع کرے چندر بڑا گمبھیر بنا سر جھکائے سڑک کو گھور رہا تھا۔ کالر اور ہیٹ سے اس کا چہرہ چھپ گیا تھا مگر فضا میں کچھ عجیب سی الجھن چھائی ہوئی تھی۔

"چندر جی" اس نے ڈرتے ڈرتے اس کا ہاتھ چھوا، "تم ناراض ہو"

"نہیں" چندر کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

چاندنی نے اٹک اٹک کر شروع سے لے کر آخر تک ایک ایک واقعہ بیان کر ڈالا۔ چندر پھر "نہیں" اس سے اور اُس کی ہمت بندھ گئی۔ موٹر کی رفتار اور بڑھ گئی۔

"اپنی جان کی سوگند کھا کر کہتی ہوں چندر ماسی نے تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا، جب ہی تو مارے غصے کے ان کے دماغ کی رگ پھٹ گئی۔ اگر وہ جیتی رہتی تو سارا بھید کھل جاتا۔ اور شاد یدی بھی سب کچھ جانتی

ہیں۔ صرف تم اور مِتّو ایسے بدھو ہو کہ کچھ نہیں سمجھتے۔ سب سے پہلے تو منشی جی نے تاڑا تھا۔ سُور مجھے طعنہ دیتا تھا: میں نے خوب ہوشیاری کی پچھوٹا لگایا ہے، سب کچھ بڑے کے ہاتھ میں ہے، وہی ہر چیز کا مالک ہے۔ ہنہہ، ملیچھ کہیں کا۔ مجھے تو اس کی صورت سے اُلٹی آتی ہے، راکھشش کہیں کا۔ اور کیسا بھگت بنا رہتا ہے۔ میں تو مر جاؤں اس کے جنم میں بھی نہ ٹھکوں۔ میرا بدھو ہی بھلا۔“

چاندنی نے اس کے گلے میں باہیں ڈال دیں: ”مجھے نہیں چاہیے راجہ۔ میں تیری ہوں چندر اور سدا تیری رہوں گی۔ چاہے تو بیاہ کر لے چاہے داسی بنا کر رکھ لے پر اس جنم میں تو میں تیری ہو چکی۔“

چندر کے بدن میں ایک لرزش ہوئی اور سر جھک گیا۔ بے قرار ہو کر اس نے موٹر کی رفتار اور تیز کر دی۔

ایک دم چاندنی کو ڈر لگنے لگا۔ چندر بولتا کیوں نہیں؟ بہت غصہ ہے! وہ بڑے سرکار کو دیوار دار چاہتا ہے، ان کی پوجا کرتا ہے، کہیں ان باتوں سے اس کا دماغ تو نہیں لوٹ گیا!

”چندر جی تمھیں یقین نہیں آتا؟ موٹر آہستہ چلاؤ میری طرف تو دیکھو چندر جی!“ اس نے چندر کا منہ اپنی طرف گھماتے ہوئے لجاجت سے کہا۔

چاندنی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، گھگھی بندھ گئی، زخمی کبوتر کی طرح تڑپ کر اس نے موٹر کا دروازہ کھول کر کودنے کی کوشش کی مگر بڑے سرکار نے ایک وحشیانہ قہقہہ لگایا اور اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اُسے زور سے بھینچ ڈالا۔

چندر جب کوٹ پہن کر مفلر کانوں میں لپیٹتا گیراج میں پہنچا تو بھونچکا رہ گیا۔ موٹر غائب تھی، دوسرے گیرج میں تالا پڑا تھا۔ وہ چکرایا ہوا باہر نکلا کہ شاید چاندنی اکیلی ہی چل پڑی۔ وہ جلدی سے چابی لینے واپس جا ہی رہا تھا کہ اوشا دیدی خاک دھول میں اٹی ہوئی گرتی پڑتی پھاٹک سے داخل ہوئیں۔

"ارے اوشا دیدی! کہاں گئی تھیں آپ؟"

"وہ — وہ گئے!"

"کون؟"

"وہ — بڑے سرکار چاندنی کو لے کر گئے۔"

"اوہ! تب تو کوئی فکر کی بات نہیں۔ مگر —"

"گدھا کہیں کا! میرا منہ کیا دیکھ رہا ہے؟ جلدی دوسری موٹر نکال۔ بھگوان جانے کیا ہونے والا ہے آج! جلدی کر چندر!" انھوں

نے اسے گیراج کی طرف گھسیٹا۔

"مگر چابی تو بڑے بھیّا کے پاس ہوگی۔"

"ہے بھگوان! دوسری چابی ان کے کمرے میں ہوگی، دراز میں رہا کرتی ہے۔"

"کیا بات ہے سرکار۔" نوکر چاکر نکل کر جمع ہو گئے۔

"موٹر کی چابی۔"

"وہ تو میرے پاس ہے۔" ڈرائیور اپنی کوٹھڑی کی طرف چلا۔

"جلدی کرو۔ نہیں تم رہنے دو۔" اوشا نے چابی ڈرائیور سے لے کر چندر کو گھسیٹا، "جلدی کر چندرا۔ ہائے رام، اگر انہیں کچھ ہو گیا تو۔"

"مگر وہ اسے نے کہاں گئے ہیں؟"

"وہ۔ وہ۔" اوشا سے کچھ کہتے نہ بنا۔ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگیں۔

"اوشا دیدی!" چندر گھبرا گیا۔

"اور تیز چلاؤ چندر۔"

"چلا رہا ہوں دیدی۔ اتنا گھبرانے کی کیا بات ہے؟"

"تیز چل میرے بھیّا۔"

"اب اور اس سے زیادہ تیز کیسے چلا سکتا ہوں؟ چکردار راستہ ایک طرف، کھائی دوسری طرف، چٹانیں دیکھ رہی ہیں؟ مگر اوشا دیدی یہ رات کے وقت کہاں گئے ہیں بھیا؟"

"معلوم ہو جائے گا، سب معلوم ہو جائے گا۔ بس تیز چلو۔"

"اوشا دیدی۔"

"ہاں۔"

"کیا بھیا مجھ سے تو کچھ ناراض نہیں۔"

"ایں؟"

"انھیں اعتراض ہے کہ میں اور چاندنی۔"

"تم اور چاندنی! ہاں ہاں وہ ناراض نہ ہوں گے تو کیا خوش ہوں گے۔ کم بخت بس کی کانٹا اچھی بھلی جان کو روگ بن کے لگ گئی۔"

"مگر دیدی۔"

"تم ان کی جگہ ہوتے اور تمہارا چھوٹا بھائی جو جان سے بڑھ کر پیارا ہوتا، وہ ایسی نیچ حرکت کرتا تو کیا تم اس کی پیٹھ ٹھونکتے؟ اسپیڈ بڑھاؤ نا، کیا بچر بچر چل رہے ہو" اوشا نے دیکھا چندر حماقت میں بات کو خود ہی موڑ رہا ہے تو فوراً کترا گئیں۔

"بس کوئی پاپ کر رہا ہوں؟"

"وہ تمھیں کتنا چاہتے ہیں۔ کیا تم پران کا اتنا بھی ادھیکار نہیں کہ تم غلطی کرو تو ٹوکیں؟"

"مگر وہ مجھ سے بات کرتے تو میں جواب دیتا۔"

"وہ تیرے منہ کیوں لگیں؟"

"دیدی اگر انھوں نے کچھ۔ دیدی وہ چاندنی کے ساتھ کوئی بدسلوکی تو نہیں کریں گے؟" چندر ایک دم خوفزدہ ہو گیا۔

"چندر اگر اپنے بھتیجا اور چاندنی کی جان کی خیر چاہتا ہے تو باتوں میں وقت نہ ضایع کر۔ آج وہ اپنی اور اس کی جان ایک کر دیں گے۔ چڑیل کہیں کی، کیسا جادو کیا ہے کل موہی نے!"

"آپ کیوں اسے بُرا بھلا کہے جا رہی ہیں؟ قصور میرا بھی تو ہے مجھے بھی سزا ملنی چاہیئے۔"

"تمھیں بھی ایسی سزا ملے گی کہ جنم جنم یاد کرو گے۔ تم نے گھر میں لہسن کا بیج بو کر آج یہ دن دکھایا ہے، تم بھی سستے نہیں چھوٹو گے، ساری عمر سر پکڑ کر روؤ گے۔"

"کیا وہ اس کی جان کے درپے ہو رہے ہیں۔"

"اگر اس نے آج ان کا کہا نہ مانا تو دونوں کی جان کی خیر نہیں۔"

"مگر وہ ہوتے کون ہیں میری زندگی بنانے بگاڑنے والے! میں

ان کی ہر بات مان سکتا ہوں فیاری مگر چاندنی کے معاملے میں انھیں میری بات ماننا ہی ہوگی....''

''تو کیا اس چینڈالنی کے پیچھے بھائیوں میں خون خرابہ ہوگا ؟ ہائے رام چندر۔'' اُن کے منہ سے اصل بات پھر بھی نہ نکلی۔ مگر اب چندر کو کچھ بتانے کی کیا ضرورت تھی ؟ مہر ناماں نے آج اوشا کی سن لی تھی، اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔

دور سڑک کے موڑ پر موٹر دکھائی دی، چندر نے ایکسیلیٹر دبایا، موٹر زور سے اچھلی اور فراٹے بھرنے لگی۔ قریب جا کر دیکھا تو ہیڈلائٹس جل رہی تھیں مگر موٹر خالی تھی۔

ایک ہاتھ سے موٹر اور دوسرے ہاتھ سے نوچتی کاٹتی اور جنگلی بلی کی طرح بپھری ہوئی چاندنی کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ مجبوراً بڑے سرکار نے گاڑی روکی۔ جونہی رفتار کم ہوئی وہ تڑپی اور ان کے ہاتھ سے نکل کر سڑک پر جا پڑی مگر فوراً ہی اٹھ کر اندھا دھند بھاگی۔

اسے ندی کے بانسوں والے پل کی طرف بھاگتے دیکھ کر وہ بھی اس کے پیچھے جھپٹے مگر وہ کاوا کاٹ کر چٹانوں پر چڑھ گئی۔ اس کا جوتا کہیں رہا اوڑھنی کہیں۔ انھوں نے کئی بار اُسے پکڑ لیا مگر وہ مچل کر چھوٹ گئی۔ اب اس کے سامنے ایک ہی صورت تھی، یا تو ندی میں کود جائے یا بڑے سرکار کے آگے سرنگوں ہو جائے۔ وہ ندی کی طرف بھاگی مگر چٹان پھسلنی تھی وہ واپس نیچے گر پڑی۔ اٹھتے اٹھتے اس نے مڑ کر دیکھا تو بڑے سرکار سر پر آن پہنچے تھے۔ وہ اٹھنے لگی مگر وہ پیر جھپٹے، ان کا ہاتھ اس کے پیر پر پڑا اور گرفت مضبوط ہو گئی۔

اس نے بہت کوشش کی مگر ان کی آہنی گرفت اور سخت ہوتی گئی اس کا پیر پکڑے وہ سسکیوں سے رو رہے تھے اور پاگلوں کی طرح چوم رہے تھے:

"چاندنی میں تیرے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ چاندنی۔ رحم کر۔ میں دیوانہ ہو جاؤں گا چاندنی۔"

نفرت اور غصے کا ایک بے پناہ طوفان چاندنی کے دل میں اٹھا، جھک کر اس نے ایک بھاری سا پتھر اٹھایا کہ سانپ کا پھن کچل ڈالے کہ سامنے چندر چٹان پر چڑھتا دکھائی دیا۔ پتھر اس نے واپس پٹخ دیا۔ اور اس کی جان میں جان آئی۔ وہ اپنا منہ ڈھانپ کر سسکیاں بھرنے لگی۔ آخر چندر نے اس کی یہ درگت دیکھ لی۔

"اگر تو نے فیصلہ کر لیا ہے تو پھر ٹھیک ہے، مگر یاد رکھنا میرے ہاتھ چندر کے خون میں ڈوب جائیں گے۔" بڑے سرکار اپنی دھن میں بک رہے تھے، انھیں چندر کے وجود کا شبہ بھی نہ تھا۔

"سن رہے ہو چندر جی اپنے پتا سمان بھائی کی باتیں؟ لو اپنے کان سے سن لو۔"

"بھتیا!" چندر نے پکارا اور تیزی سے چڑھنے لگا۔

ایک دم جیسے بڑے سرکار کے جسم کی ساری طاقت سلب ہو

گئی، ہاتھ کی گرفت ڈھیلی ہوگئی اور پسینے کے فوارے چھوٹ نکلے وہ پھٹے ہوئے کپنے کی طرح ایک طرف دبک گئے۔

مگر پل بھر بعد جب انھوں نے سر اٹھایا تو وہ بھوت جو گٹری سے پہلے درندوں کی طرح دانت نکوس رہا تھا غائب تھا۔ اس کی جگہ وہی دیوتا سمان بڑا بھائی واپس لوٹ آیا تھا: وہی آنکھوں میں نرمی اور سنجیدگی اور وہی لہجے کی نرمی۔ وہی بڑے سرکار جو ایک چھوٹے انسان تھے مگر عظیم الشان دھوکہ تھے۔

"رحم کر چاندنی۔ میرے اوپر دیا کر۔ تجھے جائیداد چاہیئے تو وہ لوٹ سکتی ہے۔ میرا اور پتو کا حصہ بھی لے لے مگر بھگوان کے لیے تو چندر کو چھوڑ دے۔ میں نے اپنی ماں کو مرتے سمے وچن دیا تھا کہ اگر چندر کی رکشا کرتے میری جان بھی چلی گئی میں سمجھوں گا کہ میرا جیون سپھل ہو گیا۔"

چاندنی کا منہ فق ہوگیا، حلق میں کانٹے پڑنے لگے اور زبان تالو سے چپٹ گئی۔ وہ پاگلوں کی طرح آنکھیں پھاڑے اس بہروپیے کو تکتی رہ گئی۔

"بھیا یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں" چندر نادم ہوگیا۔

"میں چاندنی سے تیرے جیون کی بھیک مانگ رہا ہوں۔ بھیا

تو کتنا ننھا سا تھا— ماں نے تیرا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے کر کہا تھا:
'مجھے وچن دو کہ چندر کی رکشا کرو گے' ماں کی آتما اشانت ہو جائے گی'
تب میں جی کر کیا کروں گا؟" بڑے سرکار نے بڑے ڈرامائی انداز میں کہا۔
ایک دم چاندنی نے اپنا پیر گھسیٹ لیا اور دوڑ کر چندر کا گریبان تھام لیا:
"یہ پاکھنڈی ہے چندر جی' اس کی باتوں میں نہ آنا۔ یہ سب ناٹک ہے، سب جھوٹ — ابھی ابھی یہ تمھاری جان لینے کی دھمکی دے رہا تھا۔ یہ ملیچھ ہے چندر جی — پاپی مجھے —"
"چاندنی پاگل ہو گئی ہے؟" چندر نے اس کی پھٹی پھٹی آنکھوں سے ڈر کر کہا۔ وہ بڑے بھیا کی شان میں اتنے بھیانک الفاظ سننے کا عادی نہ تھا۔
"میں پاگل ہوں اور تو بڑا ہوشیار ہے! چندر تو نرا کاٹھ کا اُلّو ہے۔"
"بکواس نہ کرو چاندنی ورنہ اتنی زور کا طمانچہ ماروں گا کہ منہ پھر جائے گا۔ جو منہ میں آتا ہے بکے چلی جاتی ہے۔"
چاندنی نے ایک بار بڑے سرکار کے دیوتا سمان روپ کو دیکھا اور پھر بھولے بھالے چندر پر نظر ڈالی اور بے تحاشا قہقہے لگانے لگی:

"میں پاگل ہوں اور تم پاگل نہیں۔ میں پاپن ہوں اور تم لوگ دیوتا ہو۔ میرے کارن بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔ میرے کارن سورج ونش کے ماتھے کو کلنک لگ رہا ہے" چاندنی نے سسکی بھری۔ پو پھٹ رہی تھی، سورج کے طلوع ہونے کا سمے ہو رہا تھا، دور گھاٹی کے سرے پر چاند کا مکھڑا زرد ہونے لگا تھا، چاندنی دم توڑ رہی تھی۔
چاندنی نے جھک کر چندر کے چرنوں کی دھول مانگ کو لگائی، ایک بار جی بھر کے اس کے مکھڑے کو تکتی رہی۔ پھر پلٹ کر ندی کی طرف بھاگی۔ اوشا رانی نے اسے روکنا چاہا، پل پر چوکیدار نے چلا کر کہا: "پل پر نہ جاؤ، بالکل گلا ہوا ہے" مگر وہ تیر کی طرح نکل گئی۔ پل ڈگر مگر ہلنے لگا، بانس چرچرا کر پانی میں گر رہے۔
دیوانوں کی طرح بڑے سرکار اٹھ کر اس کے پیچھے بھاگے۔
"اسے روکو۔" وہ اسے موت کے منہ میں دیکھ کر بدحواس ہو گئے۔
"کیا کرتے ہیں سرکار! دو جنوں کا بوجھ نہیں سہار سکے گا۔ بھگوان کے لیے رک جائیے" پہرے دار نے ان کی کمر میں ہاتھ ڈالنا چاہا، چندر نے انھیں پکڑنا چاہا مگر ان میں دیو زاد کی طاقت سمائی ہوئی تھی، وہ سب کو جھٹک کر پل پر پہنچ گئے۔
"لوٹ آ چاندنی۔ یہ کیا کر رہی ہے؟" وہ چلائے۔ ایک بانس پیر

کے نیچے سے چر آیا اور چاندنی کا پیر گھٹنے تک اتر گیا۔ نکالنے کی کوشش میں تڑاتڑ بانس چٹخنے لگے۔ بڑے سرکار کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر اس نے بڑی مشکل سے پیر کھینچا اور ایک زقند میں دوسری طرف پہنچ گئی۔ ابھی سنبھلنے بھی نہ پائی تھی کہ چیختا اور چنگھاڑتا بانسوں کا بوڑھا پل مع بڑے سرکار کے تیز بہتی ہوئی ندی میں گر پڑا۔

مگر بڑے بھیا! چندر کو معلوم تھا انھیں تیرنا بھی نہیں آتا۔ ندی بڑے زور شور سے پل کے لاشے کو مع بڑے سرکار کے لے کر چل دی۔ باوجود پہرے دار کے منع کرنے کے چندر نے کوٹ اتار کر دور پھینکا اور پانی میں کود پڑا

* * *

ہفتہ بھر تک بڑے سرکار موت سے لڑتے رہے۔ چندر نے اپنی جان پر کھیل انہیں بچا ہی لیا۔ ان کے سر اور ماتھے میں کئی ٹانکے آئے تھے۔ بخار اب ذرا کم ہونے لگا تھا۔ گو ڈاکٹروں نے کہہ دیا تھا کہ اب کوئی خطرہ نہیں مگر اوشا رانی ایک پل کے لیے بھی ان کی پٹی سے الگ نہ ہوتیں بہت نیند آتی تو گھڑی بھر کے لیے وہیں سر ٹکا کر سو جاتیں۔ بڑی مشکل سے چندر اور پھندر انہیں کچھ کھلا پلا دیتے۔ وہ کمرے میں سوائے ڈاکٹر پٹیل کے اور کسی کو نہیں آنے دیتی تھیں۔ گھڑی بھر کو کوئی آتا اور جونہی بڑے

سرکار بے چین ہو کر بڑبڑانا شروع کر دیتے وہ سب کو باہر نکال دیتیں۔ ابھی تک سوائے ان کے اور چاندنی کے کسی کو اصلیت کی خبر نہ تھی۔ منشی جی کو وہ کوئی اہمیت نہ دیتی تھیں۔ چاندنی سے اس نے کہہ دیا تھا کہ کسی سے کچھ کہا تو اچھا نہ ہوگا۔ انھیں اس وقت سوائے بڑے سرکار کی زندگی کے اور کسی چیز سے دلچسپی نہ تھی۔

چاندنی خود اس بری طرح سہمی ہوئی تھی کہ اس کی عقل گم ہو چکی تھی۔ چندر اور پنّو سے بھی منہ چھپائے پڑی تھی۔

جب بڑے سرکار کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو اشارے کنائے سے انھوں نے چاندنی کو سمجھانا شروع کیا کہ اب سارے احسانوں کا بدلہ چکانے کا وقت آ گیا ہے۔ مگر چاندنی اوشا رانی جیسی باہمت نہ تھی۔ بنارا اوشا نے اسے سورگ کے سبز باغ دکھائے؛ دوسرے جنم کے آنند بھرے جیون کا بہلاوا دیا، بلی دان پر لکچر جھاڑے۔ مگر چاندنی مرنے کو تیار نہ تھی۔

"میں یہاں سے کہیں دور چلی جاؤں گی۔

"چندر تمہارے پیچھے جائے گا۔"

"کیا موت کے سوا میرے بھاگ میں اور کچھ نہیں؟"

"یہ موت نہیں پگلی! اب تو امر ہو جائے گی۔ اگر انھیں کچھ ہو گیا

تو کیا پھر بھی چندر تجھ سے پیار کرتا رہے گا؟ وہ اپنے پیارے بھائی کی ہتیا کرنے والی کو پتنی بنا سکے گا؟"

"نہیں — مگر —"

"اگر اس کے بھیا کی جان بچ گئی تو وہ ساری عمر تیری یاد میں تڑپے گا، تیری پوجا کرے گا۔"

"تب تو چندر مجھ سے پیار کرے گا؟" چاندنی نے سسک کر کہا۔

"ہاں۔"

"وہ میری پوجا کرے گا، میری یاد میں بے چین ہو کر تڑپ اٹھے گا۔"

"ہاں۔"

"تب میں مر جاؤں گی۔"

"میں جانتی ہوں چاندنی تو معمولی نیچ لڑکی نہیں، تو دیوی کا اوتار ہے۔"

"ہاں میں دیوی کا اوتار ہوں مگر دیدی — پُل پر مجھے دریا سے بہت ڈر لگا تھا۔ میں مرنے گئی تھی اور نہ مر سکی۔ جا تو سے بہت درد ہو گا اور پھر مجھے تو آتا بھی نہیں چاقو بھونکنا۔ دیدی۔"

"ہاں۔"

"تم گھونپ دو میرے کلیجے میں چاقو، یا چندر جی سے کہو وہی میرا گلا گھونٹ دیں" چاندنی رو پڑی۔

"کسی کو مارنا پاپ ہے" اوشا کو اپنی جان بھی تو پیاری تھی۔

"آتما ہتیا بھی تو پاپ ہے۔"

"آتما ہتیا پاپ ہے، بلی دان تو مہا پُن ہے چاندنی۔ میرے پاس ایسا امرت ہے جسے پی کر مزے کی نیند آجاتی ہے۔"

اور پھر؟

"پھر نیند کبھی نہیں ٹوٹتی۔"

"تمہیں کس نے دیا یہ امرت دیدی؟"

"سرنامیا نے۔ ماتا جی کے بعد میرا بہت جی گھبرایا، میں نے سوچا اس اکیلے پن سے تو اچھا ہے میں ان کے پاس چلی جاؤں، سارے دکھ دور ہو جائیں گے" اوشا رانی نے بات بنائی۔

"پھر تم نے امرت نہیں پیا؟"

"نہیں۔ اسی رات ماں نے سپنے میں آکر درشن دیے اور بولیں: میرے بڑے سرکار کی سیوا تیرا دھرم ہے۔ تیرا جیون مرن ان ہی کے چرنوں میں ہے۔"

"اچھا دیدی ایک بات بتاؤ گی؟"

"پوچھو۔"

"جو میں یہ امرت پی لوں تو اپنی ماں کے پاس پہنچ جاؤں گی۔"

"مر کر تو سب ہی مل جائیں گے۔"

"تو لاؤ دیدی وہ امرت مجھے دے دو میں اپنی ماں کے پاس پہنچ جاؤں گی ان کی گود میں سر ڈال کر آنکھیں بند کر لوں گی، پھر ان سے پوچھوں گی: ماں! میں نے کون سا پاپ کیا تھا جو تو مجھے کوڑے پر پھینک کر چل دی؟ مجھے کلیجے سے لگا لے۔ مگر دیدی میں اسے پہچانوں گی کیسے؟ میں نے تو اسے دیکھا بھی نہیں۔"

"مرنے کے بعد سب پہچانے جائیں گے۔" اوشا نے بٹوے سے ایک چھوٹی سی شیشی نکالی۔ "پر کون جانے شاید میرے ماتا پتا زندہ ہوں، پھر میں اکیلی کہاں بھٹکتی پھروں گی؟"

"زندہ ہوتے تو تجھے یوں پھینک کر کیوں چلے جاتے؟"

"نہیں وہ مجھے پھینک کر نہیں گئے۔ ضرور میں کھو گئی ہوں گی، کوئی چور لٹیرا اٹھا کے مجھے وہاں ڈال گیا ہوگا۔ اور انھوں نے رو رو کر برا حال کر لیا ہوگا۔ کون جانے وہ اب بھی ڈھونڈ رہے ہوں مجھے۔ دیدی کیا میرے ماتا پتا کا کچھ کھوج نہیں مل سکتا؟ اور شاید میرے بھائی بھی ہوں اور مجھے دنیا بھر میں ڈھونڈتے پھر رہے ہوں۔ ہائے دیدی! میرا دل کہتا ہے

کہیں میرا ایک بھیّا ضرور ہوگا۔ ہائے رام اسے پتہ بھی نہیں کہ اس کی ابھاگن بہن کہیں پڑی اپنے نصیب کو رو رہی ہے۔ چاندنی کی ہچکی بندھ گئی۔ اپنے اکیلے پن کا احساس بری طرح ڈسنے لگا۔

اوشا اس کی بکواس سے اکتا کر چلی گئیں۔ وہ شیشی کو مٹھی میں بھینچے چپ چاپ روتی رہی۔ چندر کی آواز سن کر اس کا کلیجہ اچھل کر منہ کو آ گیا۔ وہ اُسے ڈھونڈ رہا تھا۔ اس کی پکار نے پھر جینے کی امنگ کو جگا دیا۔ ہائے وہ بیتے ہوئے پیار کے دن۔ موت سے دور گنگناتی گاتی زندگی کے دن! جو خواب ہو کر مٹ گئے۔ چندر اسے پکار کر خاموش چلا گیا۔ وہ گیلری کے کونے میں خاموش دبک گئی۔ سارا گھر چین کی نیند سو رہا تھا، وہ اکیلی جاگ رہی تھی۔

ایسا کیوں ہوتا ہے کہ ایک انسان اتنا دکھ جھیلتا ہے اور کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی!

کوئی اور وقت ہوتا تو وہ بڑے سرکار کے ڈراؤنے حلیے کو دیکھ کر خوف سے چیخیں مارنے لگتی مگر اس وقت جب اس نے انہیں گیلری کی طرف آتے دیکھا تو نہ اس کا خوف سے دل دھڑکا نہ چیخ نکلی۔ قریب آ کر وہ مجرموں کی طرح آنکھیں نیچے کیے ڈھیلے ہاتھ چھوڑے کھڑے رہے۔ ایک دم چاندنی کو اپنے مرتبے کا احساس ہوا: وہ بہت بلند

ہے، قربانی دینے جا رہی ہے۔ آج اس کی مٹھی میں امرت ہے۔ اب کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا؛ نہ بڑے سرکار کا پیار، نہ چندر کی نفرت۔ اسے کسی سے واسطہ نہیں، کسی سے کچھ لینا دینا نہیں۔

آپ مجھے چاہتے ہیں؟" اس نے دلیری سے تن کر کہا۔

"ہاں!" بڑے سرکار کی آواز مرگھٹ میں سائیں سائیں کرتی ہوئی ہوا کی طرح سرسرائی، ان کا سارا جسم لرزنے لگا۔ آنکھیں بند کیے دیوار سے ٹک گئے۔

"آپ مجھ سے ویواہ کریں گے نا" اس نے دانت پیسے۔

"ہاں۔" انھوں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

"تو کر لیجیے۔" چاندنی کی آواز سپاٹ اور بے جان تھی۔

"تم۔۔۔ تم۔" بڑے سرکار وحشت سے گھبرا کر اپنا گلا دونوں ہاتھوں سے نوچنے لگے۔

"ہاں میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔"

"انھوں نے ڈرتے ڈرتے اس کے شانے کو چھوا، شاید یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ خواب ہے یا حقیقت۔ کندھے سے ان کا ہاتھ تھا، اس کے بھیگے ہوئے رخسار پر پڑا۔ وہ اسے جھٹکا کھا کر پیچھے ہٹے جیسے انھوں نے انگارے پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔

"تم — تم — میرا کھیل بگاڑ رہی ہو" انھوں نے سہم کر چاندنی کو دیکھا۔ وہ چاندنی جو ہمیشہ انھیں دیکھ کر دھواں دھواں ہو جاتی تھی بڑے وقار سے انھیں گھورتی رہی۔ مٹھی کھول کر اس نے امرت کی شیشی کو پیار سے دیکھا اور مسکرا پڑی۔ بڑے سرکار حیرت سے اسے تکتے رہے، پھر ایک دم اسے کھینچ کر اس کی آنکھوں میں اپنے سوال کا جواب تلاش کرنے لگے مگر چاندنی کی آنکھوں میں انھیں کوئی راستہ نہ ملا، نڈھال ہو کر وہ گرنے لگے۔

موت قریب ہو تو پھر دل کا میل سب دھل جاتا ہے۔ ان کی یہ دشا دیکھ کر چاندنی کا جی بھر آیا۔ بڑے سرکار ڈھونگ نہ تھے۔ تو پھر کیا تھے؟ ایک عجیب قسم کی ممتا سے لبریز ہو کر اس کا جی بیٹھنے لگا۔ اس نے اپنے دونوں سرد ہاتھ ان کی سلگتی ہوئی کنپٹیوں پر رکھ دیے اور سر کلیجے سے لگا لیا۔ ان کے جلتے ہوئے ماتھے نے لمس سے اس کے ہونٹ جھلس گئے۔

چاندنی۔ چقندر کی طرح اس ذرا سے ڈرامے کو دیکھ رہی آنکھیں جھپکا رہا تھا۔ چاندنی نے پلٹ کر بھی نہ دیکھا مگر بڑے سرکار تڑپ کر دوبارہ لوٹ گئے۔ چاندنی کی آنکھوں میں انھوں نے اپنی بڑائی اور پاک دامنی کا جنازہ دیکھا۔ آنکھیں شرم سے جھکا لیں اور خشک

پتے کی طرح لرزنے لگے۔

"چندرجی ہمارا وواہ ہو رہا ہے۔" چاندنی جان پر کھیل کر چندر کا مذاق اڑانے لگی۔ ایک ہی زقند میں وہ ناسمجھ بچی سے بوڑھی ہوگئی؛ "تم نے دولہا کو دیکھا؟"

"تو پاگل تو نہیں ہوگئی ہے؟" چندر نے اسے کندھے پکڑ کر ہلا ڈالا مگر وہ تڑپ کر اس کی گرفت سے نکل گئی۔

"مجھے ہاتھ نہ لگاؤ چندرجی، نہیں تو یہ ریت کا محل ایک آن میں ڈھے پڑھے گا۔ میری طرف ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟ میں بھسم ہو جاؤں گی۔" اس نے لجا جت سے کہا، "کیوں کھنڈت ڈال رہے ہو۔"

"اسے کیا ہوگیا ہے؟ بھیا آپ ۔"

"ہم — ہم سورج ہیں" بڑے سرکار جھومنے لگے، "اور یہ — یہ چاندنی ہے ۔ دیکھا، دیکھا تم نے؟ دنیا کتنی جھوٹی ہے کہ سورج اور چاندنی کا کبھی ملن نہیں ہوسکتا! یہ سب بکواس ہے۔ کیونکہ — کیونکہ اصل میں ہمارا نام سورج نہیں چاند — چاند ہے۔"

"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں بھیا۔"

"ہماری طبیعت بالکل ٹھیک ہے کیونکہ ہم۔ ہمارا نام سورج نہیں"

اوشا رانی چیل کی طرح چلاتی زینے پر سے اتریں۔

"نردئی۔ بے شرم! تو اس دو پیسے کی چھوکری کے کارن اپنے بڑے بھائی کا اپمان کر رہا ہے۔ دیکھ تو ان کی کیا دشا ہو گئی ہے۔ دیکھے سے کلیجہ منہ کو آتا ہے اور تو ان کی جان لینے پر تلا ہوا ہے"

"دیدی۔"

"بس چپ رہ۔ تیرے لیے انھوں نے کیا نہیں کیا؟ اپنی جوانی آگ میں جلا دی کہ جب تک چندر اور پتو اپنے پیروں پر نہ کھڑے ہوں وہ کیسے سکھ کی نیند سو سکتے ہیں۔ کوئی دوسرا ہوتا تو تجھ جیسے نکمے کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر باہر پھینکتا مگر انھوں نے کبھی تجھے ٹیڑھی آنکھ سے نہ دیکھا، کبھی اونچی آواز سے نہ بولے اور تو ہے کہ سر پہ چڑھا چلا آتا ہے۔" انھوں نے بڑے بہ کار کو سہارا دے کر آرام کرسی پہ بٹھا دیا۔

"میں نے — میں نے کیا کیا؟" چندر کو ایسا معلوم ہوا ان سب کے ساتھ اب وہ بھی پاگل ہو جائے گا۔

"تو نے کیا نہیں کیا؟ تو ہی اس بلا کو گھر میں لایا۔ بول لایا کہ نہیں؟" ادشا نے سوچا چندر کو دبانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اسے بولنے نہ دیا جائے۔ "تیری ضد پر اس ناگن کو پالا پوسا، کسی چیز کی کمی رہی اسے؟ گھر کی بیٹی سے بھی زیادہ ٹھاٹ باٹ کرائے، اور آج یہ بے شرم اس

احسان کا یہ بدلہ دے رہی ہے کہ بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔ مگر کان کھول کر سن لو: میرے جیتے جی اس پریوار کا سرو ناش نہ ہونے پائے گا۔ مجھے اپنے خون کی آہوتی دینا پڑی تو اس سے بھی انکار نہ ہوگا میں نے بھی اس گھر کا نمک کھایا ہے۔ نمک حرامی نہ کروں گی نہ کرنے دوں گی۔"

"اوفوہ! دیدی بات تو سنو۔ میں ابھی یہاں آیا تو دیکھا۔"

"دور ہو۔ مجھے دیدی نہ کہہ۔ جیسے اپنے دیوتا سمان بیچارے لاچار بھائی پر دیا نہ آئی وہ مجھ بے سہارا لاوارث کا کیا آدر کرے گا۔" اوشا رو پڑیں۔

"ساری دنیا کو ان سے ہی شکایت ہے تو چاندنی سے پوچھو۔"

"مجھے کسی سے کچھ نہیں پوچھنا۔" چندر نے نفرت سے کہا۔

"چندر جی۔" چاندنی نے اسے کبھی اتنا گمبھیر نہیں دیکھا تھا، تڑپ گئی۔ چندر جاتے جاتے رک گیا۔

اوشا نے خونی نظروں سے چاندنی کو گھورا اور اس کی انمول ہنس زندگی دم بھر کے لیے جاگ کر پھر دم توڑنے لگی۔ اس نے تھک کر گردن ایک طرف ڈال دی۔

"ہاں چندر جی مجھ سے پوچھو۔ مگر تم ابھی بہت ننھے ہو۔ تم نے

پریمیہ کی جوالا میں بھسم ہو کر مسکرانا نہیں سیکھا، تم کیا سمجھو گے؟"

"تم ۔ بڑے بھیا ۔" اس کی زبان لڑکھڑا گئی۔

"ہاں، امرت ۔ سے کسے پیار نہیں؟" اس نے اپنی مٹھی کو کھول کر ننھی سی سبیتی کو چوما۔

"تو اتنے دن مجھے کیوں دھوکے میں رکھا؟"

"جیون ایک دھوکا ہی تو ہے۔ بس میٹھی نیند کے بعد سب مل جائیں گے ۔ تب میں سو جاؤں گی۔ میں بہت تھک گئی ہوں۔"

"اور مجھے بیوقوف باقی رہی کہ ان سے تجھے ڈر لگتا ہے۔ وہ تجھ سے نفرت کرتے ہیں، مار ڈالنا چاہتے ہیں۔" چندر کی زبان میں زہر بھر گیا۔

"نفرت اور پیار کا بھید کون جان سکتا ہے؟ اور نہ بھاگ میں جو لکھا ہے اسے کوئی مٹا سکتا ہے۔ یہی ہونا تھا، ہونی پر آج تک کسی کا بس چلا ہے؟"

"ہونی اور نصیب کا سہارا نہ لو، صاف کہہ دو کہ رانی بننے کا ارمان تھا سو پورا ہو گیا۔ میں ۔ میں بدھو ہوں نا ۔ چھچھورا ۔ سب سے ڈر جاتا ہوں ۔ ہنہ! تو کیا سمجھی ہے یہاں کوئی تیرے لیے مر جائے گا؟" چندر کی رگوں میں جوانی کا گرم اور خوددار خون سنسنا رہا تھا۔

"ٹھیک کہتے ہو، رانی بننا چاہتی تھی سو بھور ہونے سے پہلے ہی بن جاؤں گی، ہاں تم بدھو بھی ہو اور ڈرپوک بھی۔ بڑے سرکار کے سامنے چوہے کی طرح دبک جاتے ہو۔ ان کے چرنوں کی دھول بننے یوگ بھی نہیں اور میں کوئی پاگل ہوں جو سورگ یہ دیوتا کو ٹھکرا کر ان کی چھاپا پر جگمگانے والے چندرماں سے ماتھا پھوڑوں گی۔ یہ — یہ دیوتا ہیں، مہاپرش ہیں اور تم ؟ تم کچھ بھی نہیں۔" اپنے دکھ کا بدلا وہ چندر سے لینے لگی۔

"چڑیل بھیّا کا سہارا پاکر تو سر پر چڑھتی چلی جا رہی ہے! ٹھیک ہی کہتی تھی ماسی: موری کی اینٹ سے ٹھوکر لگی تو سارا شریر گندہ ہو جائے گا۔ تیرا بیاہ ہو رہا ہے، چل جا چوکھے میں۔" چندر جانے لگا۔

"چندر مجھے — مجھے جاتے سمے آشیرواد تو دے۔"

"لے آشیرواد!" چندر نے سٹر کر ایسا زور کا تھپڑ رسید کیا کہ سوکھی ماری چاندنی دیوار سے جا کر ٹکرائی۔

"ہائے نردئی۔" اوشا کا دل پتھر کا نہ تھا۔ بڑے سرکار جو نیم بیہوش پڑے تھے تڑپ کر اٹھ بیٹھے مگر اوشا نے انھیں روک دیا۔

"رہنے دو دیدی، اس نے اچھا کیا جو مجھے مارا۔ اب میری یاد میں تڑپ تڑپ کے روئے گا تب پتہ چلے گا۔" چاندنی سسکیاں بھر

کر رونے لگی۔

"میں تجھے یاد کروں گا کمینی! میں تو تیری صورت پر تھوکوں گا بھی نہیں۔"

"ایسے بول منہ سے نہ نکالو چندر جی، کہیں بعد میں پچھتاوا آئے اور سر پکڑ کر روؤ۔" اوشا ندامت سے بے قرار ہو گئیں۔

"اگر غصے میں کچھ کر بیٹھی تو اس کا خون تمہاری گردن پر ہو گا۔" اوشا نے ساتھ ساتھ اپنا گناہ بھی اس کے سر منڈھنے کی ترکیب نکال لی۔ صبح چاندنی کی لاش دیکھ کر سب یہی سمجھیں گے چندر سے لڑائی ہوئی تھی، غصے میں کچھ کھا کر مر گئی۔

"سر پکڑ کر رونے کے لیے تو تم پیدا ہوئی ہو اوشا رانی۔ تمہیں بہن کہہ کر میں اس پوتر شبد کا اپمان نہیں کرنا چاہتا۔ تم عورت نہیں سماج کے اصولوں کی کچلی ہوئی لاش ہو۔ تمہیں صرف یہ بتایا گیا ہے کہ پتی کی سیوا تمہارا دھرم ہے، مگر یہ تو تمہارے پتی بھی نہیں، ویسے بچپن سے انھیں اپنا پتی مانتی آئی ہو۔"

"چندر۔"

"تم بھارت ورش کی پتری جسے ایک بار پتی مان لیا اسی کے ساتھ ستی ہو جاؤ گی۔ چاہے وہ تمہاری بوٹیاں کر کے کتوں کو کھلا دے تم اس کے چرن دھو دھو کر پیتی رہو گی۔ تم عورت نہیں لونڈی ہو۔" وہ مڑ کر

جانے لگا۔

"بشیرو" بڑے سرکار کی آواز پر بچپن سے اس نے چونک پڑنا سیکھا تھا، بے ساختہ ٹھٹک گیا۔

"کرن سے معافی مانگو۔" انھوں نے سختی سے کہا۔

"کرن؟"

"ہاں، یہ چاندنی نہیں، آج سے اس کا نام سوریہ کرن ہے۔"

"آہا ہا۔ بہت اچھے۔"

"بدتمیزی نہ کرو۔ معافی مانگو، ورنہ۔"

"ورنہ۔"

"تمہیں یہ گھر چھوڑ کر جانا ہوگا۔"

"آپ سمجھتے ہیں مجھے اس گھر میں رہنے کا شوق ہے؟ مگر یہ نہ سمجھیے گا میں کسی سے ڈر کے جا رہا ہوں، مجھے اس گھر سے وحشت ہو رہی ہے۔"

"کرن، چندر کو معاف کر دو، وہ نادان ہے۔"

"چندر نادان ہے، آپ گیانی ہیں!"

"چاندنی جاؤ اپنے کمرے میں، تمھیں آرام کرنا چاہیے۔" اودشا نے کہا۔

"ہاں۔ اور اوشا دیدی بھی گیانی ہیں، انھیں سب معلوم ہے کہ کیا کرنا چاہیے، کس وقت جاگنا چاہیے، کس کو جینا چاہیے اور کس کو مر جانا چاہیے۔" وہ بڑبڑاتی جانے لگی۔

جیسے مہکار شتہ بدیدوں کی طرح مدہوش چاندنی کو گھورا۔ اس کا دوپٹہ ڈھلکا ہوا تھا۔ ہوا کے ایک جھونکے سے کپڑے جسم سے چپک گئے۔ وہ تڑپ کر اس کی طرف چلے۔

"نہیں۔" من کا پرانا خوف جاگ اٹھا۔ اوشا کی دبی ہوئی سسکاری سن کر اس کا جی چاہا ان کا منہ نوچ لے۔ وہ اس کمینے جانور پر کیوں اس بری طرح لٹو ہیں۔ "شادی کا انتظام کیجیے۔ سب تیاری ہو جانا چاہیے کوئی کسر نہ رہ جائے۔" اس نے جاتے جاتے کہا۔

وہ کمرے میں پہنچی تو پمتو اور چند، باتیں کرتے ہوئے گیلری سے گزر رہے تھے۔

"ستو تو چھٹ بھیا۔" پمتو اس کے پیچھے بھاگی جا رہی تھی۔

"اب پمتو بھی اس کے منہ پر تھوک دے گی۔" وہ خاموش کھڑکی کے پاس جا کر دور سنگلاخ چٹانوں کو تکنے لگی۔ پمتو مرے مرے قدموں سے واپس آئی اور خاموش اسے تکنے لگی۔ پمتو جو اس کی گوئیاں تھی، اس کی ہمراز

تھی مگر چندر کو دیوانہ وار چاہتی تھی۔

مگر ممّو کچھ نہ بول سکی، چپ چاپ الماری کھول کر کپڑے نکال کر سوٹ کیس میں ڈالنے لگی۔"

ایک بار تو جی چاہا ممّی کے گلے میں بانہیں ڈال کر سب کچھ بتا دے، ورنہ وہ مر گئی تو اس وجہ اسے اور چندر کو کون بتائے گا؟ پھر چندر اس کی پوجا بھی نہ کرے گا، اسے بھول جائے گا؛ وہاں موت دادی میں اتنا بھی سہارا نہ ہوگا۔

اسی نے شیشی کو دیکھا اور بٹوے میں رکھ دیا۔ نہیں وہ ایسے نہیں مر سکتی۔ وہ دیر تک سر جھکائے کاغذ پر کچھ لکھتی رہی اور اُسے آنسوؤں سے مٹاتی رہی۔

"چندر سب ٹھیک ہو جائے گا، وقت آنے پر سب معلوم ہو جائے گا۔" اوشا نے اس کے سوٹ کیس میں کپڑے رکھتے ہوئے کہا۔

"زندگی میں اب ٹھیک ہونے کے لیے کچھ باقی نہیں رہا۔"

"بہت جلد تم لوگ پھر لوٹ آؤ گے۔"

"میں مر کر بھی یہاں واپس نہیں آؤں گا۔"

"کہیں بھائی ایک دوسرے کو سدا کے لیے چھوڑ سکتے ہیں؟

تم نہیں جانتے اس وقت وہ کتنے بیمار ہیں۔ میں جو کہتی ہوں کہ۔"

"آپ جو کہتی ہیں وہ نہ کبھی میری سمجھ میں آیا اور نہ آئے۔ آپ انسان نہیں پتھر ہیں۔ وہ آپ کی اتنی ناقدری کرتے ہیں اور آپ ہیں کہ مری جاتی ہیں۔ اور آج تو آپ نے حد کر دی، ہنسی خوشی انھیں دوسری عورت کو دان دے رہی ہیں۔"

"میں نے انھیں کسی کو نہیں دیا اور نہ میرے جیتے جی کوئی انھیں مجھ سے چھین سکتا ہے۔ اس بیماری میں میں انھیں یم دوت سے چھین کر لائی ہوں مگر تم کو کیسے بتاؤں۔ خیر ــ ایک دن سب کچھ سامنے آجائے گا ــ اسی میں اپنی اور خاندان کی بھلائی ہے۔ لو یہ چیک، چاچا جی سے کہنا کیش کرا دیں گے، میں موٹر نکلواتی ہوں۔ اور دیکھو، پپو کا جی نہ چھوٹا ہو ــ یوں تمھیں پریشان دیکھے گی تو چھپ چھپ کر روئے گی۔"

"دیدی میں کتنا برا ہوں۔ تمھیں کیسے کڑے بول سنا ڈالے ــ" معاف کر سکو گی!" چندر نے دیدی کے پیر تھام لیے۔

"ارے کیا کرتا ہے بھیا! دیوانہ ہوا ہے! میں تیری بات کا برا کیسے منا سکتی ہوں۔"

"ماں تو بچپن ہی میں روٹھ گئیں، آپ نے ہی ماں کے سکھ دیے خیال تھا ایک دن آپ اور بھیا ــ دیدی، میرا خون کھول رہا ہے۔ کیا

کروں کچھ بس نہیں چلتا، تم اب یہاں کیا کرو گی؟"

"یہ میرا گھر ہے۔" اوشا مسکرائیں۔

"میرا کہا مانیے، اب یہاں آپ کی گزر نہ ہوگی، ہمارے ساتھ چلیے، وہاں مزے سے رہیں گے۔"

"میری تو اب ارتھی ہی اس گھر سے نکلے گی۔ بھیا، تم میرے اوپر وشواش رکھو۔ مگر دیکھو ایسی ویسی خبر سن کر جی کو بے قابو نہ کر لینا۔"

"کیسی خبر دیدی؟" چندر سہم گیا۔

"شادی کی۔" اوشا ہنسیں۔

"ارے ہائے، مجھے تو اس کی صورت سے نفرت آ رہی ہے!"

"نہیں چندر۔" وہ رک گئیں۔

"کیا؟"

"کچھ نہیں — میں ناشتہ بھجواتی ہوں۔"

اوشا نے پمّو کو پیار کیا، چندر کا جی بہلانے کی ہدایت کی اور دونوں کو رخصت کیا۔

"پمّو — پمّو —" پپا مدنی ہانپتی کانپتی سڑک تک بھاگ گئی۔ پمّو رانی جا رہی ہے۔ موٹر رکی تو اس نے کھڑکی سے جھانک کر کہا اور ڈر نے ڈرتے اس کے گال پر ہاتھ رکھ دیا۔ پمّو کے آنسو بہہ نکلے اور اس نے منہ پھیر

لیا۔ چندر نے موٹر چلانے کو کہا

"پمو۔ پمو جی ایک دفعہ میری طرف تو دیکھ لو۔ پھر نہ ملوں گی۔ پمو۔ وہ موٹر کے ساتھ بھاگنے لگی۔ ٹھوکر لگی اور وہ کنکریلی سڑک پر گر گئی۔ موتی موتیوں کی مالا جو چندر نے اسے جنم دن پر ہار کے بجائے دی تھی ٹوٹ کر بکھر گئی، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کنکروں کو گھورنے لگی۔ ایک دم کنکر پگھل کر موتی بن گئے اور اس کا سر نیچے ڈھلک گیا۔

•

حویلی میں سناٹا چھایا ہوا تھا، جیسے کوئی موت ہو گئی ہو۔ چاندنی اپنے کمرے میں خاموش بیٹھی رہتی۔ اب تو اسے کسی سے ڈر بھی نہیں لگتا تھا۔ پمو کی چیزیں بکھری دیکھ دیکھ کر کلیجہ کٹنے لگتا، چندر کے کمرے میں جاتے وحشت ہوتی؛ گئی گزری باتیں یاد آجاتیں۔

نہیں وہ آسانی سے نہیں مر سکتی، بڑی دھوم دھام سے مرے گی۔ بس وہ صرف اس لیے زندہ تھی کہ بڑے سرکار کی اصلیت دنیا پر کھل جائے۔ اس کے علاوہ ایک ننھی سی امید کی کرن اب بھی جگمگا رہی تھی: وہ خط جو اس نے چندر کے کوٹ میں ڈال دیا تھا اسے پڑھ کر شاید وہ اس پر اعتبار کرے، تب وہ بڑی خوشی سے اس کے ہاتھوں میں دم توڑ دے گی۔

"اوشا نے اسے اپنا وچن یاد دلایا تو وہ چڑ گئی"

"ڈیڈی میں نے مرنے کا کھیل کبھی نہیں کھیلا۔ مجھے بار بار نہ ٹوکو، مجھے آپ ہی مرنے دو۔ ویسے تمھارا جی چاہے تو میرا گھلا گھونٹ دے دو یا زبردستی وِش پلا دو۔" اوشا کو فکرمند دیکھ کر ہنس پڑی۔

"تم میرے خون سے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتیں کیونکہ تمھارے ہاتھ تو مہندی رچانے کے لیے بنے ہیں۔ میرے مرنے کے بعد جب سب مجھے بھول جائیں گے تو بڑے سرکار سے تمھارا بیاہ ہو گا۔ ویسے تم نشچنت رہو، میرے بھاگ میں تو موت ہی لکھی ہے۔"

انھوں نے ذرا زیادہ زور دیا تو وہ سچ مچ انھیں پھٹکار سنا بیٹھی:

"میں بڑے سرکار سے کہہ دوں گی۔" اس نے دھمکی دی۔

اور اوشا رانی کو اس کی خوشامد میں خاموش رہنا پڑا۔ مگر وہ جان جان کر اسے موت کی خوبیاں اور قربانی کی بڑائیاں سناتیں، دکھ بھرے بھجن گا گر اس کا اور دم گھونٹتیں۔ کہ بعض وقت وہ چندر کا انتظار کیے بنا مرنے پر تیار ہو جاتی مگر پھر دور کہیں ریل کی سیٹی کوک اٹھتی اور اسے آس بندھ جاتی کہ بس اس گاڑی سے چندر آ جائے گا، پھر سب کچھ جی اٹھے گا۔

اوشا رانی کے اعصاب پر اتنا بوجھ پڑ رہا تھا کہ وہ باولی سی کونوں کھدروں میں بیٹھی سرناد دیوی کے بتلائے منتروں کا جاپ کیے جاتیں۔ تین

سودائی

دن سے برت تھا اور سوائے چٹکی بھر پرشاد اور دو گھونٹ پانی کے کچھ منہ میں نہیں ڈالا تھا۔ رات رات بھر جاگنے سے ان کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے تھے مگر من پریم کی جوت سے نور نور ہو رہا تھا۔

بڑے سرکار کے احباب دوست تھے ہی کون؟ ان کے ہم عمر تو اپنی اپنی اولادوں کی شادیوں میں لگے تھے۔ کسے معلوم تھا کہ وہ اس عمر میں شادی کریں گے اور وہ بھی اوشا رانی کو چھوڑ کر ایک گمنام لڑکی سے۔ شادی کی تیاریاں بڑے سرکار عجب بوکھلاہٹ سے کر رہے تھے۔ اوشا رانی ہی گھر کی کرتا دھرتا تھیں۔ جب دن قریب آنے لگے تو ان پر بری طرح ہول سوار ہو گیا: کہیں چاندنی انھیں گھل نہ دے جائے! پھر ان کا کیا بنے گا؟ انھیں گھر سے نکال باہر کر دے گی تو وہ کہاں جائیں گی؟ کس کے آگے ہاتھ پھیلائیں گی؟

چند سال پہلے جو من میں ہر دم جوالا مکھی دہکتی رہتی تھی۔ اب تو وہ بھی ٹھنڈی پڑ چکی تھی۔ رومان اب تو دال روٹی کا سوال بن کر رہ گیا تھا۔ ماسی زندہ تھیں تو کتنا بڑا سہارا تھا۔ ٹھنڈائیاں پلا کر بھگوان کی اور دھیان لگانے کی نصیحت کر کے انھوں نے اوشا کو کچھ ایسے تربیت دی تھی کہ قدرت نے بھی سہارا دیا اور انھیں آہستہ آہستہ من مارنے کی عادت سی پڑ گئی، مگر پیٹ کی آگ اور خودداری تو ابھی زندہ تھی۔

شادی کا ہنگامہ شروع ہوگیا اور چندر نہ آیا۔ اس نے چاندنی کی ساری خوشامدوں کا جواب خاموشی سے دیا۔ چاندنی کی ساری امیدیں موت کی آغوش میں جا سوئیں۔

منڈپ کی آگ دھوئیں جا رہی تھی۔ چاندنی کو سارا ماں کا زیور پہنا دیا گیا۔ چاندنی کا ٹیکہ ٹھیک کرنے کے بہانے وہ اس کے پاس گئیں:

"لگن کا سمے ہو رہا ہے!" انھوں نے بسور کر کہا۔

"جانتی ہوں دیدی، تم اطمینان رکھو۔"

"اب اطمینان کا سمے نہیں۔"

چاندنی نے بنے سنورے بڑے سرکار کو دولہا بنے دیکھا اور ایک آہ بھر کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ آخری گاڑی کا وقت بھی نکل چکا تھا۔ نہیں، کوئی نہیں آیا اور کوئی نہیں آئے گا!

اوشا نے ایک شربت کا گلاس اس کے سامنے رکھ دیا۔ چاندنی نے بٹوے میں سے شیشی نکال کر گلاس میں انڈیل دی۔

"بس اب تو تمھیں اطمینان ہوگیا۔"

اوشا نے نگاہیں جھکا لیں۔

"دیدی تم چندر اور بیّو کو سب کچھ بتا دوں گی نا؟"

"ہاں۔ ہاں۔" انھوں نے وعدہ کیا۔ "اچھا جلدی کرو۔"

"جلدی کی ایسی کیا ضرورت ہے؟ ابھی لگن میں دیر ہے،" بڑے سرکار نے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

اوشا کا رنگ فق ہو گیا اور وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئیں۔

"کیوں؟ کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں۔" وہ جانے لگیں۔

"بڑی گھبرائی ہوئی معلوم ہوتی ہو؟" وہ مسکرائے۔

"نہیں تو۔ مہمان آ رہے ہیں — میں —" اوشا کی زبان لڑکھڑا گئی۔

"ہاں ہاں تم جاؤ۔ مہمانوں کی دیکھ بھال کرو۔ دیکھو آئس کریم نہ گھل جائے۔ مٹھائی مجھے لگتا ہے ضرور کم پڑے گی، کیوں؟"

"نہیں، کم نہیں پڑے گی۔"

"تمھیں بڑا کام کرنا پڑ رہا ہے اوشا۔"

"نہیں تو۔"

"نہیں کیسے، کتنا اچھا انتظام کیا ہے تم نے! تمھارے اور ماسی کے علاوہ اور کسی میں ہمت نہ تھی۔" وہ لفظ چبا کر بولے۔

"جی —" اوشا ہکلائیں۔

"اب سب ٹھیک ہو جائے گا نا؟"

"جی — جی ہاں —"

"پھر تمہیں کوئی شکایت نہ رہے گی؟"

"جی نہیں۔" بے ساختہ اوشا کے منہ سے نکل گیا۔

"تو جاؤ انتظام کرو۔" وہ مسکرا کر انھیں گھورنے لگے، بیچاری گرتی پڑتی لوگوں سے ٹکراتی بھاگیں۔

اوشا کے جانے کے بعد بڑے سرکار نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کے پھر بڑی اداس آنکھوں سے چاندنی کو تکنے لگے۔ وہ نظریں جھکائے دونوں ہاتھوں میں گلاس پکڑے بیٹھی رہی۔

انھوں نے اپنا گلاس رکھ دیا اور ڈرتے ڈرتے دونوں ہاتھ اس کے ہاتھوں پر رکھ دیے۔ جیسے سانپ نے ڈس لیا، چاندنی نے جلدی سے اپنے ہاتھ پیچھے کھینچ لیے اور منہ ڈھانپ کر سسکیاں گھونٹنے لگی۔

"ارے تم تو شرما رہی ہو۔ بھئی واہ!" وہ مکاری سے مسکراتے، "آج تم خوش ہو نا؟"

اس نے ساری دنیا کی نفرت اپنی مظلوم آنکھوں میں سمیٹ کر انھیں سر سے پیر تک دیکھا، "ہاں میں بہت خوش ہوں۔" اس نے جلدی سے گلاس اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

"ارے اتنی جلدی نہ پیو، اچھو لگ جائے گا۔" وہ ہنسے اور بڑی نزاکت سے اپنا گلاس اٹھا لیا۔ "ایسی بھی کیا جلدی!" وہ بڑے سکون سے

گھونٹ لے کر بولے۔

مسرت اور جیت سے مدہوش ہو کر چاندنی ہنس پڑی۔ اس نے بڑے سرکار کا ہاتھ نفرت سے جھٹک دیا اور آنکھیں بند کر کے بڑے بڑے گھونٹ پینے لگی۔

اوشا رانی مہمانوں کی طرف تھیں مگر ان کا دھیان اسی طرف لگا ہوا تھا۔ وہ خوش ہونا چاہ رہی تھیں۔ مگر ان کا جسم بے قابو ہو کر لرز رہا تھا۔

گلاس ختم کر کے چاندنی کھلکھلا کر ہنس پڑی اور پھر ہنستی رہی، یہاں تک کہ آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو بھی نہ پونچھے۔

"ہاں بڑے سرکار اب میں تمھاری ہوں۔" اس نے دونوں ہاتھ ان کی طرف پھیلا دیے۔ مگر وہ اسے دیکھتے رہے، مسکراتے رہے اور گلاس ہونٹوں سے لگا لیا۔

ایک دم چاندنی نے دونوں ہاتھوں سے تڑپ کر اپنا گلا پکڑ لیا۔

سامنے پریشان حال چندر کھڑا تھا!

"چندر جی" جب اُسے اپنی آنکھوں پر یقین آ گیا کہ یہ چندر ہی ہے تو وہ گرتی پڑتی اس کی طرف بھاگی اور اس کے سینے سے چمٹ گئی۔

"تم نے دیر کر دی چندرو۔ میں جا رہی ہوں راجہ۔ میں نے وش پی لیا۔ یہ دیکھو یہ بیٹھے ہیں تمھارے سوریہ دیوتا۔"

"تم آ گئے چندر؟" بڑے سرکار کی آواز میں جیت کی کھنک تھی اور انھوں نے اپنے گلاس میں سے ایک بھرپور گھونٹ لیا۔

چندر نے دیر کر دی۔ ماما جی کے ساتھ وہ اور پتو شکار کو گئے تھے، وہاں سے لوٹے تب لانڈری میں ڈالتے وقت کوٹ کی جیب سے خط نکلا، ورنہ وہ چھ روز پہلے ہی آ جاتا۔

"مگر ہونی کو کون ٹال سکتا ہے چندر جی؟" چاندنی نے لرزتے ہاتھوں سے اس کا چہرہ چھو کر کہا۔

"مجھے اپنے سینے میں چھپا لو چندرو۔ میرا کلیجہ بیٹھا جا رہا ہے۔" وہ

اس کے بازوؤں میں بے سدھ ہوگئی۔

چندر نے اسے جلدی سے صوفے پر لٹا دیا، ممتا اس کے منہ پر منہ رکھ کر رونے لگی؛ مہمانوں میں کھلبلی مچ گئی۔

"ڈاکٹر۔ ڈاکٹر کو فون کرو منشی جی۔" اس نے چاندنی کی پیشانی کا پسینہ ہونٹوں سے پونچھ دیا۔ "جلدی کرو۔"

"رہنے دو منشی جی، ڈاکٹر کی کوئی ضرورت نہیں۔" بڑے سرکار کے چہرے پر خبیث مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔ وہ مزے سے میٹھے شربت کی چسکیاں لے رہے تھے، جیسے چاندنی انسان نہیں کیڑا تھی۔

"کمینے بزدل ایک نردوش لڑکی کی جان لے کر مزے سے بیٹھا شیطان کی طرح ہنس رہا ہے۔ ذلیل کتے۔" لپک کر چندر نے بڑے سرکار کا گریبان پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا۔ "مگر تو بھی میرے ہاتھ سے بچ کر کہاں جائے گا؟"

ایک جھٹکے سے انھوں نے چندر کو الگ کر دیا۔ ایک دم ان کے چہرے پر جلال برسنے لگا، ہمیشہ سے ڈرنے والا چندر پل بھر کے لیے دبک گیا۔

"کیا دیوانوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔" انھوں نے بڑی نرمی سے کہا، "کیا تم نے یہ بھی کہیں سنا ہے کہ بھنورے نے کلی کا گلا گھونٹ دیا

یا پتنگے نے دیپک بجھا دیا۔" وہ بڑے وقار سے چلتے ہوئے چاندنی کے پاس گئے، نہورے سے اس کے بکھرے ہوئے بالوں پر ہاتھ پھیرا:
" پگلی — سمجھتی ہے اس نے پیا ہے زہر۔"
" اوشا کے منہ سے ایک دل دوز چیخ نکلی اور وہ گلاس چھیننے جھپٹی مگر بڑے سرکار نے ایک ہی سانس میں پورا گلاس ختم کر ڈالا۔
اوشا پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھتی رہی پھر چیخ مار کر ان کے پیروں سے لپٹ گئی۔
چندر نے دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیاں بھینچ ڈالیں اس کی عقل کام نہیں کر رہی تھی۔
چاندنی نے کراہ کر آنکھیں کھولیں، بڑے سرکار نے صوفے کا سہارا لیا تو وہ سہم کر چندر سے لپٹ گئی۔
"ہاں چندر اسے بچا لو۔ سورج کے سامنے چاندنی مرجھا جاتی ہے۔ اٹھو اوشا، تمہارے آنسو وِش کو اور کڑوا بنا رہے ہیں۔" انہوں نے اوشا کو اٹھانا چاہا" شما کر دو اوشا رانی! میں نے تمہاری محبت کی قدر نہ کی میں نے تمہارا بڑا اپمان کیا۔ جس کی سزا آج مجھے مل گئی۔ تم نے اپنی ساری زندگی میرے لیے بھسم کر دی۔"
" ناتھ، آپ کی سیوا میرا دھرم ہے" اوشا نے ان کے پیروں پر سر

پٹخ دیا، "یہ آپ نے کیا کیا؟"

"جانتا ہوں میں نے جو کچھ کیا، چھپا نہیں کیا۔ میں نے چاندنی کو چاہا! اگر میرے دل میں بھگوان کی اتنی لگن ہوتی تو انھیں بھی پا سکتا تھا، مگر چاندنی اور سورج کا میل نہیں ہو سکتا۔" وہ چکرا کر گرنے لگے تو چندر نے لپک کر انھیں انہوں سے سنبھال لیا۔

"بھیا! ارے منشی جی ڈاکٹر کو فون کیا؟"

"اب ڈاکٹر کچھ نہیں کر سکتا چندر۔"

"مگر بھیا یہ آپ نے کیا کر ڈالا؟"

"اور کوئی راستہ بھی تو نہیں تھا چندر۔ اوشا میرے پیر چھو کر مجھے اور گنہگار نہ کرو۔ ایک انسان کو دیوتا بنانے کی کوشش میں اسے حیوان بنا ڈالا۔ چھوٹے چھوٹے جھوٹ بڑھ کر ہمالیہ تک پاپ بن گئے۔ اور ۔۔ اور ۔۔" انھوں نے درد سے تڑپ کر خون کی بڑی سی قے کی۔

بھیڑ کو چیرتا کوئی ڈاکٹر آگے بڑھا مگر انھوں نے روک دیا:

"ڈاکٹر، زندگی کی یہ چار گھڑیاں میرا آخری سرمایہ ہیں، یہ نہ چھینو تم مجھے بچا نہیں سکو گے۔ اب تو موت کو بھگوان بھی نہیں ٹال سکتے۔" پھر درد کی شدت سے ان کی آنکھیں پھر گئیں، ناک کا بانسہ مڑ گیا، دم بھر کے بعد پھر اٹکتی ہوئی سانس آئی۔ انھوں نے دور کھڑی چاندنی کی اور بڑی کوشش

کر کے تاکا۔ مرتے مرتے آخری بار ان کی پتلیاں ناچ اٹھیں، خون بھری ہنسی کے ساتھ بڑی شوخی سے بولے:!

''پگلی! اسے دیکھو، رو رہی ہے! پر وہاں اتنی دور کھڑی کیوں آنسو بہا رہی ہے؟ ادھر آ چاندنی! میرے سینے پر صرف ایک بار پیار سے ہاتھ رکھ دے۔ نہیں۔ نہیں تو یہ جنم جنم تک یونہی تڑپتا رہے گا۔'' چاندنی تیورا کر ان کے سینے پر گر پڑی۔ بڑے سرکار نے بڑی بے صبری سے اُسے اپنی آغوش میں بھینچ لیا۔ موت کے دروازے پر پہنچ کر پہلی بار چاندنی نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔

''آہ، اگر موت اتنی حسین ہوتی ہے تو پھر کیوں نہ ہزار بار جنم لے کر مرنے کو جی چاہے۔'' انھوں نے موت اور پیار کی لذت سے بیقرار ہو کر کہا اور اپنے بے جان ہونٹ اس کے ماتھے پر رکھ دیے۔

چاندنی تڑپ کر رہ گئی۔ اس کا جی چاہا ان کی چھاتی پھٹ جائے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کی لامتناہی محبت میں ڈوب جائے۔

''رو مت میری جان! آج تو تیرا بیاہ ہے۔ وہ دیکھ سورج ڈوب رہا ہے۔ آج چندرماں کا راج ہوگا اور چاندنی کھل اٹھے گی۔''

مغرب کی سمت سورج کی آخری کرن سسک کر خاموش ہو گئی اور دھیمی دھیمی شرمائی سی چاندنی کسی سہاگن کے کفن کی طرح پھیل گئی!

نئی لائبریری
کے مشہور و مقبول ادبی مجموعے

تنقید

معیار : ممتاز شیریں

اردو تنقید میں ایک اہم اضافہ۔ خوبصورت کتاب (انعام یافتہ) ۳/۵۰

طنز و مزاح

سیدھے : مسعود مفتی

ہنستے، مسکراتے، شوخ و شنگ مضامین (انعام یافتہ) ۲/۵۰

خطوط

زیرِ لب : صفیہ اختر

پیت کی ماری گرہستن کے احساسات کے نقوش ۳/-

شاعری

آفتابِ داغ : داغ دہلوی

زبان کے لاثانی جادوگر کا اہم ترین دیوان ۳/-

شعری ادب: مرتبہ ظہیر کاشمیری ۲/-

۱۹۴۷ء کے فسادات اور بربریت کے خلاف شاعروں کا محاذ

گجر: قتیل شفائی ۱/-

پنجاب کے البیلے شاعر کا غنائیت بھرا آہنگ

گلِ آفتاب: ظفر اقبال ۲/۵۰

تجربے اور تجرید کا نکھرا نکھرا امتزاج

دن چڑھے دریا چڑھے: عباس اطہر ۱/۲۵

دورِ نو کے اہم شاعر کا پہلا مجموعۂ کلام۔

ڈرامے

ابھگیان شکنتلا: کالی داس ۱/۵۰

سنسکرت کے عظیم ترین شاعر کا مشہور ترین ڈراما

شیطان: عصمت چغتائی ۱/۵۰

عصمت چغتائی کے ہنسانے والے ڈرامے

آؤ: سعادت حسن منٹو ۱/۵۰

منٹو کے مزاحیہ ریڈیائی کھیل

افسانے

تین غنڈے: کرشن چندر ۱/۵۰

ایشیا کے عظیم فن کار کے شاہ کار افسانے

زندگی کے موڑ پر: کرشن چندر ۱/۲۵
کرشن چندر کے تین طویل افسانے
لذتِ سنگ: سعادت حسن منٹو ۱/۵۰
منٹو کے وہ افسانے جن پر مقدمے چلے
سڑک کے کنارے: سعادت حسن منٹو ۱/۵۰
منٹو کے دورِ آخر کی اہم ترین تصنیف
نمرود کی خدائی: سعادت حسن منٹو ۱/۷۵
گرم گرما افسانے:
سرکش روحیں: خلیل جبران ۱/۷۵
نامور افسانہ نگار کے مقبول ترین افسانے
ایک بات: عصمت چغتائی ۱/۷۵
ایک بات میں لاکھوں تیکھی تیکھی باتیں کہی گئی ہیں
گرہن: راجندر سنگھ بیدی ۲/-
انسانی زندگی کے درونِ خانہ گوشوں کی نقاب کشائی
دانہ و دام: راجندر سنگھ بیدی ۲/-
بیدی کے وہ افسانے جنہوں نے اس کے فن پر ابدیت کی مہریں ثبت کر دی ہیں
منزل منزل: اے حمید ۲/-
سیلانی اے حمید کی نئی منزلوں کی طرف پرواز

رفیقِ تنہائی : علی عباس حسینی ۲/۷۵
مُونس و غم خوار افسانے

سناٹا : احمد ندیم قاسمی ۳/-
پنجاب کے دیہات کی شاندار عکاسی

ہائے اللہ : ہاجرہ مسرور ۱/۷۵
کرداروں کی لذت بھری جنسی زندگی کی پیش کش

چار عشق : منظور احمد ۲/-
پنجاب کی قدر تیز و حرتی کے چار بڑے رومان

جدید ہندی افسانے : ترجمہ اشفاق انور ۳/-
ہندی کے موجودہ افسانہ نگاروں کی اعلیٰ تخلیقات کا انتخاب

ناول

ایک چادر میلی سی : راجندر سنگھ بیدی ۲/۵۰
پنجاب کے ایک سکھ گھرانے کی داستان

کپتان کا گڈا : ڈی۔ایچ۔ لارنس ۱/۷۵
"لیڈی چیٹرلیز لور" کے مصنف کا شاہکار

لندن کی ایک رات : سجاد ظہیر ۱/۲۵

اداس نسلیں : عبداللہ حسین ۱۰/-
آدم جی انعام یافتہ ناول اردو ادب میں اہم ترین اضافہ

دھوپ اور شگوفے : اے حمید ۳/-

عصمت چغتائی کے چند اور مجموعے

معصومہ

گناہ کی زنجیر میں جکڑی ہوئی بے بس لڑکی کی داستان، جس کے درد و کرب کو عصمت چغتائی کے حقیقت پسند قلم نے اس ناول میں دوام بخشا ہے۔

یہ ناول ایک خاندان کا المیہ نہیں، بلکہ ساری انسانیت اور تہذیبی اقدار کا ماتم ہے۔

یہی نہیں، یہ ناول بھارت کی فلم انڈسٹری کی گھناؤنی آویزشوں اور چالبازیوں کو بھی بے نقاب کرتا ہے۔

سرورق : عبدالرحمٰن چغتائی

قیمت مجلد : چھ روپے

انسان اور فرشتے

عصمت چغتائی کا تازہ ترین شاہکار جاگیردار گھرانوں کے درونِ خانہ جنسی معاملات اور جاگیردار طبقے کی بیگمات کی مشکلات پر اس سے پیشتر اردو ادب میں اس انداز سے کبھی روشنی نہیں ڈالی گئی۔ یہ بس عصمت ہی کا کام تھا۔ قیمت مجلد : بارہ روپے

شیطان

عصمت چغتائی

عصمت کا شیطان گنجے فرشتوں سے بہتر ہے۔ وہ اپنے شیطان ہونے کا اقرار کرتا ہے اور پکار پکار کر کہتا ہے:

مجھ سے بچو ––– میں شیطان ہوں۔

عصمت چغتائی کے مشہور اور مقبول ریڈیائی ڈراموں کا مجموعہ ‎-/۳
(مجلد)

ایک بات

عصمت چغتائی

"یہ افسانے عورت کی مختلف ادائیں ہیں۔ صاف، شفاف، ہر قسم کے تصنع سے پاک۔ یہ ادائیں وہ عشوے، وہ غمزے نہیں جن کے تیر بنا کر مردوں کے دل اور کلیجے چھلنی کیے جاتے ہیں۔ جسم کی بھونڈی حرکتوں سے ان اداؤں کا کوئی تعلق نہیں۔ ان روحانی اشاروں کی منزل مقصود انسان کا ضمیر ہے جس کے ساتھ وہ عورت ہی کی ان جانی، ان بوجھی مگر مخملیں فطرت لیے بغل گیر ہو جاتے ہیں۔" (مجلد) ‎-/۳

سعادت حسن منٹو